-/12
ماہنامہ
فروری ۲۰۱۴ء
پیامِ تعلیم
نئی دہلی ۔ ۲۵

ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا، بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لا الہ الا اللہ : سر سید احمد خاں

ماہنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دہلی

فروری ۲۰۱۴ء جلد ۶۲ شمارہ ۲

اس شمارے میں

مینیجنگ اڈیٹر

خالد محمود

معاون اڈیٹر

محمد محفوظ عالم

صدر دفتر

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 25

فون نمبر: 26987295

monthlypayamitaleem@gmail.com

شاخیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

پرنسس بلڈنگ، ممبئی۔ 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔ 202002

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

فی پرچہ: -/12 روپے سالانہ: -/125 روپے

سرکاری اداروں سے: -/200 روپے

غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز): -/1200 روپے

پرنٹر پبلشر ایم آر ایم عرشی نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے سودا آفسیٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی ۲ میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں سے باتیں

پیارے پیامیو!

بچو! آج ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں ہر فرد کو ایک جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔ جہاں آپ معاشرے کی پاکیزگی کے لیے آگے بڑھیں گے وہیں بری طاقتوں سے آپ کو نبرد آزما ہونا پڑے گا، اور یہی وہ جنگ ہے جو آج معاشرے میں لڑی جا رہی ہے اور اس طرح زندگی کئی محاذوں پر بٹ چکی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج کا عام آدمی اپنے آپ کو جکڑا ہوا محسوس کرتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ اصلاح کا آغاز کہاں سے کریں۔

سب سے پہلے اپنے آپ سے اس کام کا آغاز کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے آپ سے جس بھلائی کا آغاز کریں گے اس کا راستہ آخر کون روک سکے گا۔ آپ کی حیثیت فیصلہ کن ہوگی۔ آپ بہ ظاہر ایک فرد ہیں مگر آپ ایک کارواں بھی ہیں، اپنی ذات سے جب کام کا آغاز کریں گے تو بہت جلد آپ کی نگاہ اپنے گھر پر پڑے گی۔ لازماً زندگی کی تعمیر آپ کے گھر کا نقشہ مرتب کرتی چلی جائے گی، اپنے گھر کی اہمیت کو کبھی فراموش نہ کیجیے۔ معاشرے کی جو تصویر آپ دیکھنا چاہتے ہیں اس کا پہلا عکس آپ کا گھر ہی تو پیش کرتا ہے، آپ کا گھر ایک بستی بھی ہے اور ایک ملک بھی۔ آپ پاکیزگی اور اخلاق حسنہ کے لیے جینا چاہتے ہیں تو آپ ابھی سے اس کام کا آغاز کریں، انشاء اللہ اس کام کے لیے آپ تنہا نہیں ہوں گے۔ راستے میں آپ کو ایسے بہت سے ساتھی ملیں گے جو سرگرم بھی ہوں گے اور حساس بھی۔

اللہ حافظ!

محمد محفوظ عالم

ریاض احمد بلڈانوی

حمد

مَولا تو دنیا کا مالک تو دُنیا کا آقا
تو ہی پالن ہار ہے جگ کا اور تو ہی ہے داتا

تجھ سے ہوا ہے، روشنی تجھ سے، تجھ ہی سے ہے پانی
تجھے بقا ہے اس دنیا میں باقی ہر شے فانی

تجھ سے چاند، ستارے، سورج، تجھ سے یہ دن رات
تو سب کی تقدیر کا مالک تجھ سے موت حیات

عرش ترا ہے فرش ترا ہے تجھ سے ساگر دریا
تجھ سے کھیت، پہاڑ اور میداں تجھ سے جنگل صحرا

تو خالق ہے تو رازق ہے اور تو ہی ہے قادر
ذرّوں میں تو، ہر دل میں تو، ہر شے سے تو ظاہر

نورِ ازل سے مولیٰ تیرا ہر شے میں ہے سمایا
سارے عالم پر ہے آقا تیرے کرم کا سایا

تاب قلم میں کس کے ہے بیاں کرے، جو مدح سرائی
کم پڑ جائے سمندروں کی گر ہو روشنائی

جوہر نگر، بلڈانہ، مہاراشٹر

سید ترشید علی القادری الجیلانی ارشدؔ

کروں کیا رقم عزّ و شان محمدؐ
فلک سے بھی اونچی ہے شانِ محمدؐ

یہی ہے تمنا یہی ہے ارادہ
مرا سر ہو اور آستانِ محمدؐ

اُسے نارِ دوزخ جلائے گی کیسے
جو ہے خادم دودمانِ محمدؐ

یہی خواہش و مقصد زندگی ہے
رہوں تا ابد مدح خوانِ محمدؐ

اگر چاہتے ہو رضائے الٰہی
کرو خدمت خاندانِ محمدؐ

ہر اک پھول ہے جس میں نایاب و نادر
اگر ہے تو ہے گلستانِ محمدؐ

۳۰۔ عبدالحمید لین۔ کولکاتا۔ ۱۶

اللہ کے بندوں سے محبت

حکیم محمد سعید شہید کی یاد رہنے والی باتیں

اپنے محسن سے محبت، لگاؤ اور اس کی چاہت انسان کی گھٹی میں ہے۔ احسان کرنے والے کا احسان ماننا انسان کی شرافت اور اچھائی کی علامت ہے، اسی لیے مومن احسان ماننے میں سب سے آگے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہمارا سب سے بڑا محسن ہے اور مومن سب سے بڑا محسن پرست ہوتا ہے۔ گویا احسان ماننے کا جذبہ مسلمان سے زیادہ کسی میں نہیں ہوتا اور مسلمان اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے: ''ایمان والے اللہ کی محبت میں بڑے ہی پکے ہوئے ہیں۔'' (ترجمہ: آیت ۱۶۵۔ سورہ البقرہ)

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ بھی کہلوایا ہے کہ: ''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، پھر اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔'' (ترجمہ: آیت ۳۱، سورہ آل عمران)

اللہ تعالیٰ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اللہ کے بندوں سے محبت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے، جو دوسروں کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں۔ اللہ ان کو عزیز نہیں رکھتا، جو دوسروں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور جو انصاف نہیں کرتے ان کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات کی روشنی میں ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے اور اللہ اور اس کے بندوں سے اپنی محبت کو بڑھانا چاہیے۔
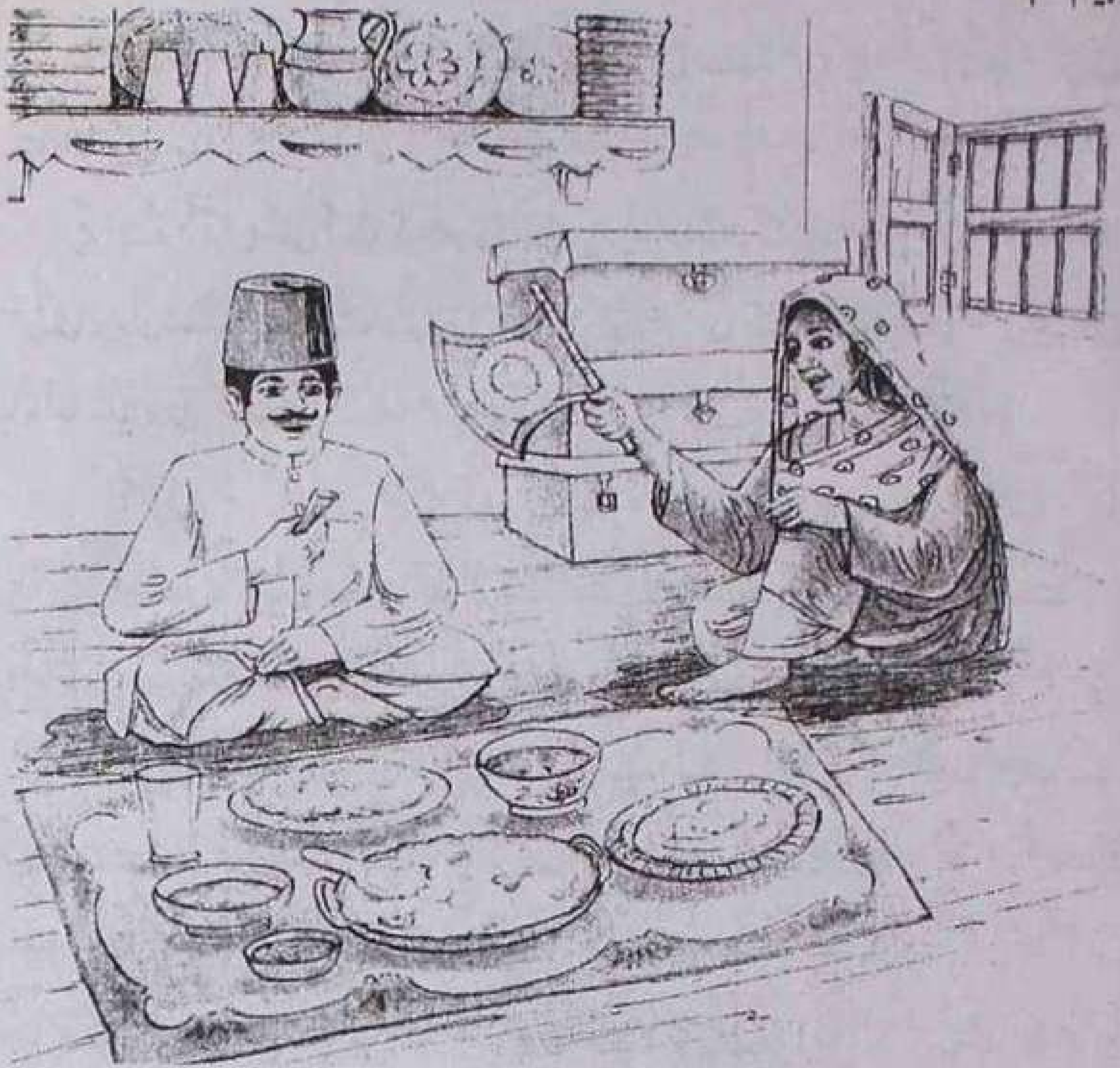
شیخ چلّی نے کھچڑی کھائی

شیخ چلّی شادی کے بعد پہلی بار سسرال گئے تھے۔ خوب آؤ بھگت ہوئی۔ طرح طرح کے مزیدار کھانے پکائے جاتے اور شیخ چلّی سیر ہو کر کھاتے۔ ایک روز ساس سے کہا:

"امّاں! مرغن کھانے کھا کھا کر جی بھر گیا۔ آج کوئی سادہ کھانا پکائیے۔"

ساس نے کھچڑی پکائی۔ شیخ چلّی نے کھچڑی پہلی بار کھائی تھی۔ بہت پسند آئی۔

اگلے روز انھیں گھر واپس جانا تھا۔ چلتے چلتے ساس سے نام پوچھا کہ گھر جاکر بیوی سے پکوائیں گے۔

پُرانے وقتوں میں آج کی طرح سواریاں افراط نہ تھیں۔ اکثر لوگ دور دراز کا سفر بھی پیدل طے کرتے تھے۔ شیخ چلّی کا گھر بھی سسرال سے بہت دور تھا مگر پیدل ہی جانا تھا۔ یہ سوچ کر کہ کھانے کا نام بھول نہ جائیں، انھوں نے رٹنا شروع کردیا:

''کھچڑی ...... کھچڑی ...... کھچڑی ......''

کسی لفظ کو تسلسل کے ساتھ کثرت سے کہا جائے تو تلفظ بدل کر کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے۔ شیخ چلّی کے ساتھ بھی یہی ہوا ...... کھچڑی بگڑ کر کھاچڑی ہوگیا۔

وہ کھاچڑی کھاچڑی کی گردان کرتے چلے گئے کہ ان کا گزر ایک کھیت کے قریب سے ہوا جہاں باجرے کی تیار فصل پر چڑیوں نے ہلّا بول رکھا تھا اور کھیت کا مالک کسان انھیں اُڑا اُڑا کر ہلکان ہوا جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص کھاچڑی کھاچڑی کہتا چلا آرہا ہے۔ سخت غصہ آیا کہ میں تو چڑیوں کو اُڑا اُڑا کر پریشان ہوگیا ہوں اور یہ بدبخت انھیں ہُشکارا دے رہا ہے کہ کھاچڑی کھاچڑی۔

شیخ چلّی قریب آپہنچے تھے۔ کسان نے جھپٹ کر ان کی گردن دبوچی اور پٹائی شروع کردی۔ شیخ چلّی اس افتاد سے گھبرا گئے اور چلّائے:

''ارے ...... ارے ...... بھائی ...... کیوں مارتے ہو؟ کیا بگاڑا ہے میں نے تمھارا ......!!''

کسان نے پیٹھ پر ایک زور کا دھپ رسید کرتے ہوئے کہا:

''اچھا ...... تو اب تیرا قصور بھی بتانا پڑے گا۔ میں صبح سے ان نامراد چڑیوں کو اُڑا اُڑا کر مرا جا رہا ہوں، جو میری مہینوں کی محنت سے تیار فصل برباد کردینے پر تلی ہوئی ہیں اور تو انھیں ہشکارا دے رہا ہے ...... کھاچڑی ...... کھاچڑی ......''

شیخ چلّی نے کہا: ''بھائی...... !تم غلط سمجھے ہو۔ میرا تم سے کیا لینا دینا...... میں تو وہ کہہ رہا تھا جو میری ساس نے مجھے بتایا ہے۔''

''غلط بتایا ہے تمھاری ساس نے۔'' کسان نے گرج کر کہا۔

''تو پھر صحیح کیا ہے...... تمھیں معلوم ہے تو تم بتا دو...... شاید میں بھول گیا ہوں۔''

''صحیح ہے اُڑ چڑی۔'' کسان نے کہا: ''اب تم کہو گے اُڑ چڑی...... اُڑ چڑی......''

شیخ چلّی گردن مسلتے ہوئے ''اُڑ چڑی اُڑ چڑی'' کہتے چل پڑے۔ راستے میں ایک ندی پڑی، جہاں رک کر انھوں نے پانی پیا۔ ایک درخت کے سایے میں کچھ دیر ستائے اور پھر جھوم جھوم کے ''اُڑ چڑی...... اُڑ چڑی'' کہتے چل دیے۔ ان کا گزر ایک ایسے مقام سے ہوا جہاں ایک شکاری چڑیاں پکڑنے کے لیے پھندے لگائے بیٹھا تھا۔ صبح سے دو پہر اور اب سہ پہر ہونے والی تھی مگر ایک چڑیا بھی نہ پھنسی تھی۔ وہ سخت بیزار تھا۔ اچانک اس کے کانوں میں ایک آواز آئی۔ چونک کر دیکھا۔ سامنے ایک شخص کچھ کہتا چلا آ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں وہ قریب آ گیا۔ شکاری کو اس کی آواز اب سنائی دے رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''اُڑ چڑی...... اُڑ چڑی'' اسے سخت غصہ آیا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، قریب آ پہنچنے والے شیخ چلّی کو گریبان سے پکڑ لیا اور دو تین تھپڑ رسید کیے۔ شیخ چلّی چلّائے:

''ارے کیا کرتے ہو بھائی؟ چھوڑو۔ چھوڑو...... کیوں مارتے ہو خوامخواہ مجھے۔''

''خوامخواہ!'' شکاری دانت پیس کر غرّایا۔ ''میں صبح سے پھندے لگائے بیٹھا ہوں۔ کوئی چڑیا نہیں پھنس رہی۔ اب کچھ امید ہوئی تھی تو تُو انھیں اُڑنے کو کہہ رہا ہے۔''

''مم...... مگر...... بھائی...... یقین کرو۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں...... مجھے تو کسان نے بتایا تھا کہ اڑ چڑی صحیح ہے۔ اڑ چڑی ہی کہنا۔'' شیخ چلّی نے ہکلاتے ہوئے بتایا۔

''کسان نے کہا ہو یا مزدور نے۔ مگر خبردار! جواب تم نے یہ بات کہی۔'' شکاری ڈپٹ کر بولا۔ ''تم کہو گے ایک ایک پھندے میں دو دو آئیں۔''

اب شیخ چلّی ایک ایک پھندے میں دو دو آئیں، ایک ایک پھندے میں دو دو آئیں کہتے چل دیے۔

کچھ دور قصبہ تھا۔ یہ وہاں پہنچے تو بہت سے لوگوں کو ایک طرف جاتے دیکھا۔ خود بھی پیچھے ہو لیے۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بڑے میدان میں سولی گڑی تھی جس کے چاروں طرف بہت بڑی تعداد میں لوگ جمع تھے۔ یہ سب ایک قاتل کو پھانسی دینے کا انتظام تھا۔

شیخ چلّی بھی ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ ایک ایک پھندے میں دو دو آئیں کی گردان بھی جاری تھی۔

چند لمحے ہوئے تھے کہ پولیس والے مجرم کو لے کر پہنچے۔ ان کے پیچھے مجرم کے عزیز رشتہ دار بھی روتے پیٹتے چلے آرہے تھے۔ شیخ چلّی کے سامنے سے گزرے اور انھیں ایک ایک پھندے میں دو دو آئیں کہتے سنا تو مارے غصے کے بُرا حال ہو گیا۔ دو تین نے جھپٹ کر انھیں پکڑا اور مارنا شروع کر دیا۔

شیخ چلّی گھگھیائے:

''بھائیو! میری بات سنو...... یہ جو میں کہہ رہا ہوں اپنی مرضی سے نہیں کہہ رہا۔ مجھے تو شکاری نے بتایا تھا کہ یہ صحیح ہے۔ یہی کہنا ہے۔''

''بکواس کرتا ہے شکاری۔'' مارنے والوں میں سے ایک شخص نے انھیں لات

رسید کرتے ہوئے کہا۔

''تو جو صحیح ہے، تم بتادو۔ مارتے کیوں ہو؟'' شیخ چلّی بلبلا کر بولے۔

''ہاں...... ! اب آیا نہ دماغ ٹھکانے پر۔'' دوسرے نے کمر پر دو ہنٹر لگاتے ہوئے کہا: ''سن۔ تجھے کہنا چاہیے اللہ ایسا دن کسی کو نہ دکھائے۔''

شیخ چلّی چوٹیں سہلاتے چل دیے۔ اب ان کی زبان پر ''اللہ یہ دن کسی کو نہ دکھائے'' تھا۔

ابھی زیادہ دور نہ گئے تھے کہ ایک بارات سے سامنا ہو گیا۔ گھوڑے پر سوار دولھا کے پیچھے بہت سے باراتی بینڈ باجے کی دھن پر ناچتے گاتے...... پیسے لٹاتے چلے آرہے تھے۔ شیخ چلّی بھی ایک طرف ہو کر تماشا دیکھنے لگے: ''اللہ یہ دن کسی کو نہ دکھائے'' کی گردان بھی جاری تھی۔

باراتیوں نے سنا تو انھیں سخت غصہ آیا کہ خوشی کے موقع پر بددعا دے رہا ہے۔ پکڑ کر لگے دھنکنے۔

''ارے بھائیو! ارے بھائیو!'' شیخ چلّی پڑنے والے جوتوں سے سر کو بچاتے ہوئے چیخے۔ ''اگر میں نے غلط کہہ دیا تو معاف کردو۔ میں یہ خود نہیں کہہ رہا۔ پیچھے لوگوں نے بتایا تھا کہ یہ صحیح ہے۔ یہی کہنا ہے۔''

اتنی دیر میں اچھی خاصی مرمت ہو چکی تھی۔ لوگوں کو ان کی حالت پر رحم آگیا اور یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ کہو ''اللہ ایسا دن سب کو دکھائے۔''

شیخ چلّی کراہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ گھر ابھی دور تھا۔ وہ ''اللہ ایسا دن سب کو دکھائے'' کہتے چلے جا رہے تھے۔ بری سڑک سے ہو کر ایک گلی میں پہنچے۔ ایک گھر کے سامنے کچھ غمزدہ لوگ جمع تھے۔ اندر سے رونے اور بین کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ یقیناً کسی کی موت ہو گئی تھی۔ شیخ چلّی گھر کے سامنے سے ''اللہ ایسا دن سب کو

دکھائے" کہتے گزرے تو ان لوگوں کو بہت غصہ آیا:

"پکڑو اس بد بخت کو۔" ایک بزرگوار نے چیخ کر کہا۔ چند نوجوانوں نے لپک کر شیخ چلی کو پکڑ لیا اور ٹھکائی شروع کر دی۔

شیخ چلی نے دہائی دی "ارے...... سب مجھے ہی مار رہے ہو۔ جبکہ میں خود تو کچھ نہیں کہہ رہا۔ ان کو کوئی نہیں مارتا جو مجھے ایسا کہنے کو کہتے ہیں۔"

مگر لوگوں نے ایک نہ سنی اور خوب درگت بنا کر ہی چھوڑا۔

شیخ چلی کچھ دیر رُکے رہے کہ یہ لوگ بھی انھیں "صحیح بات" بتائیں گے مگر کسی نے کچھ نہ کہا تو خود بولے:

"صاحبو......! آپ لوگوں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ صحیح کیا نام ہے اور میں گھر

جا کے اپنی بیوی سے کیا پکواؤں؟''

شیخ چلی کی بات سن کر لوگوں نے حیرت سے انھیں دیکھا۔ پھر ایک نے کہا:

''جو دل چاہے کہہ دینا۔''

شیخ چلی ''جو دل چاہے کہہ دینا'' رٹتے گھر پہنچے۔ بیوی ان کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی اور ماجرا پوچھنے لگی۔ شیخ چلی بولے:

''نیک بخت......! حال وال بعد میں پوچھتی رہنا۔ پہلے جلدی سے ''جو دل چاہے کہہ دینا'' پکالو۔ بڑی مشکل سے نام یاد رکھا ہے۔ کہیں بھول نہ جاؤں۔''
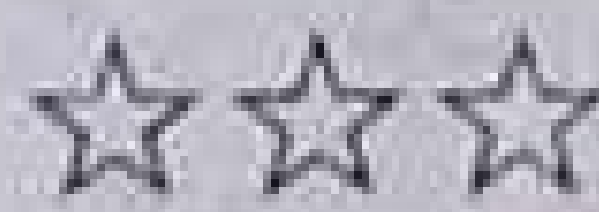
☆☆☆

منظر عارفی

تعلیم و تربیت

ہر درس ہے انوکھا، تعلیم و تربیت کا
ہر زاویہ ہے سچا، تعلیم و تربیت کا

وہ گھر یقین کیجیے جنت سے کم نہیں ہے
جس گھر میں پھول مہکا، تعلیم و تربیت کا

تعظیم اس کی کیجیے، ہاتھ اس کا چوم لیجیے
جس نے دِیا جلایا، تعلیم و تربیت کا

فطری شرافتوں کا، ہر گھر سے نور پھوٹے
ہر گھر میں ہو جو چرچا، تعلیم و تربیت کا

وہ گھر جہالتوں سے، آزاد ہو نہ کیوں کر
جس گھر میں ہے سویرا، تعلیم و تربیت کا

نفرت سے دور رکھیے، چاہت کو عام کیجیے
کہتا ہے ہر ستارہ، تعلیم و تربیت کا

اللہ کی طرف سے، انسان کو ملا ہے
سب سے عظیم تحفہ، تعلیم و تربیت کا

اللہ کے نبیؐ نے، روشن کیے دِیے جب
پہلا دِیا جلایا، تعلیم و تربیت کا

منظرؔ! جلاؤ شمعیں، تعلیم و تربیت کی
منظرؔ! لکھو قصیدہ، تعلیم و تربیت کا

بابو آر کے

کانجی ہاؤس

شہر کے کانجی ہاؤس میں پچھلے تین دنوں سے گدھا، گائے، بھینس اور گھوڑا قید تھے۔ یہ سب جانور ایک دوسرے سے اچھی طرح گھل مل گئے تھے۔ ایک دن گدھے نے سب کو مخاطب کیا اور بولا: ''دوستو! میں اس گھر کا سب سے سینئر ممبر ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کے زیادہ دن یہاں گزارے ہیں۔ آپ لوگ میرے مقابلے میں ہوشیار ہیں، عزت دار ہیں۔ میرا یہاں آنا تو سمجھ میں آسکتا ہے لیکن آپ لوگوں کی یہاں آمد میرے لیے حیرانی کا باعث ہے۔ اس لیے آپ لوگ مجھ احمق چغد کو بتائیں کہ آپ کا یہاں آنا کیسے ہوا؟''

پھر گدھے نے گھوڑے کو مخاطب کیا: ''کہیے غازی بھائی! آپ کے یہاں آنے کی کیا وجہ تھی؟''

گھوڑے نے کہا: ''بس، خدا کی زمین پر میں نے ایک نیتا جی کا ہرا بھرا کھیت چر لیا تھا — بس اتنی سی خطا پر ہنگامہ ہو گیا۔ نیتا جی کی وجہ سے سارا پولیس عملہ حرکت میں آ گیا۔ ڈاکو کی طرح مجھے پکڑا گیا۔ میری خوب پٹائی ہوئی اور سزا کاٹنے، یہاں لایا گیا۔''

گھوڑے کی روداد سننے کے بعد میاں گدھے نے بھینس کی طرف توجہ دی......

''اور محترمہ! آپ کی تشریف آوری کا مقصد خاص؟''

''سزا کاٹنا اور کیا......'' بھینس نے روکھے لہجے میں کہا۔

''......اور آپ کا جرم؟'' گدھے کا اگلا سوال تھا۔

''...... کچھ نہیں...... میں نے غصے میں پڑوس کے چھوٹے بچے کو سینگوں سے اٹھا کر پھینک دیا تھا۔'' بھینس نے کہا۔

''ناراضگی کی وجہ؟'' گدھے نے دریافت کیا۔

''ایک نہیں کئی وجہیں ہیں۔'' بھینس نے کہا۔ ''کیا ہم بھینسیں انسانوں کو دودھ اور کھاد دینے کے لیے ہی پیدا ہوئی ہیں؟ کیا ہم بھینسوں کے کوئی ارمان نہیں؟ کیا ہمارے جذبات نہیں؟ کیا ہم میں ماما نہیں؟ یہ ظلم نہیں تو کیا ہے کہ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنا دودھ بھی نہیں پلا سکتے۔ کیا ہمارے دودھ پر ہمارے بچوں کا حق نہیں......؟ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچوں کے دودھ پی لینے کے خوف سے، یہ انسان انھیں قصائی کے حوالے کرتا ہے۔ ہم اپنا خون پانی ایک کر کے انسان کے لیے دودھ دیتی ہیں اور یہ بے ایمان ہمارے دودھ میں پانی ملاتا ہے اور تہمت ہم پہ رکھتا ہے کہ ......کیا کریں، بھینس دودھ ہی ایسا دے رہی ہے۔ بس یہ سوچ کر زندگی سے تنگ آ کر میں نے غصے میں اپنا کھونٹا توڑا اور گھر سے نکل کر پڑوس کے بچے کو پٹخ دیا...... نتیجے میں مجھے یہاں لایا گیا۔''

بھینس کے خیالات جاننے کے بعد میاں گدھے نے گائے کی طرف رُخ کیا اور بولا: ''آپ تو ساری دنیا میں ایک غریب جانور اور شریف مخلوق کے طور پر مشہور ہیں۔ آپ کی شرافت اور نیک نامی کے ڈنکے دن رات بجتے ہیں۔ پھر بھلا ایسی نامعقول جگہ پر آپ جیسی معقول ہستی کا آنا سمجھ میں نہیں آتا۔''

''ہماری شرافت ہی ہم گایوں کو لے ڈوبی۔'' گائے نے کہا: ''غریب کہہ کہہ کر دنیا ہم پر ظلم کرتی آئی ہے۔ یہ انسان ہمیں دودھ کی مشین سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے تھنوں کو دودھ کے نل۔ جب چاہتے ہیں ہمارا دودھ دوہنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ہمارا ابھی کوئی

موڈ ہے۔ مزاج ہے۔ دُکھ ہے، سُکھ ہے۔ ایک دن مجھے بھی غصہ آ ہی گیا اور میں نے بھی خلافِ توقع اپنے مالک کو سینگ مار کر زخمی کر دیا۔ سینگ مارتے ہی سارے گھر میں جیسے قیامت آ گئی۔ سارے ڈنڈے لیے مجھ پر چڑھ دوڑے۔ گھر کی ایک بوڑھی خاتون بولیں...... ''گائے ہو کر مارتی ہے۔ بے شرم، بے حیا، ڈوب مر۔ کلموہی۔ کیوں اپنی ماں، دادی اور نانی کے نام کو بٹہ لگاتی ہے۔ چل نکل۔'' کہہ کر سب نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ میں بے آبرو ہو کر گھر سے نکلی اور غصے میں بازار چلی آئی۔ بازار میں جابجا عید کی چہل پہل تھی۔ میووں کے تھال سجے تھے۔ میرے دیکھتے ہی میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ میں سوچنے لگی...... ''اے کاش میں بھی ونوبا جی کے آشرم پونار میں ہوتی تو اور گایوں کے ساتھ میں بھی میوے کھا رہی ہوتی۔ خیر...... وہ گائیں ہو کر میوے کھا سکتی ہیں تو کیا ہوا...... میں بھی کھا سکتی ہوں۔ بس یہی سوچ کر میں نے ایک دکان کے سامنے رکھے ہوئے تھال پر منہ مارا اور پھر میری خوب پٹائی ہوئی اور میں یہاں لائی گئی۔

اس طرح جب گھوڑا، بھینس اور گائے اپنی اپنی روداد سنا چکے، تب ان تینوں نے میاں گدھے سے دریافت کیا کہ ان کے یہاں جلوہ افروز ہونے کے کیا اسباب ہیں؟
جواب میں میاں گدھے نے کہا:

''اپنا کیا ہے ساتھیو! اپن ٹھہرے بیوقوف، جاہل اور گنوار۔ مالک نے جب چاہا کام لیا، جب چاہا ڈنڈے مار کر نکال دیا۔ اس دنیا میں اپنا کوئی ہمدرد نہ کوئی غمگسار۔ ہم گدھوں کے ساتھ تو یہ اکثر ہوتا آیا ہے دوستو! کہ جب کبھی ہمارے مالک کے پاس ہمیں کھلانے کے لیے نہیں ہوتا تب وہ ہمیں گھر سے نکال دیتا ہے۔ اور پھر ہم خرمستیاں کر کے یہاں آ جایا کرتے ہیں۔ خدا کے فضل سے ہم یہاں بھوکے نہیں رہتے...... اور جانوروں کے ساتھ ہمیں بھی کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے۔ اسی لیے ہم

اپنے مالک کے گھر کم اور یہاں زیادہ رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں کانجی ہاؤس کو ''گدھے گھاٹ'' بھی کہا جاتا ہے۔ دوستو! میں بھلے ہی ناقص العقل سہی، لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس مرتبہ میں خرمستیوں سے نہیں بلکہ بشر مستیوں سے یہاں آیا ہوں۔''

میاں گدھے کی کہانی سارے جانور بغور سننے لگے: ''ہوا یہ دوستو کہ میں حسب معمول ایک گلی میں کاغذ کھا رہا تھا...... اس دوران کچھ شرارتی بچوں نے پٹاخوں کی لڑی میری دُم سے باندھ دی۔ اس شرارت کی مجھے خبر نہ ہوئی۔ پھر بچوں نے ان پٹاخوں کو ماچس کی تیلی دکھائی۔ بس پھر کیا تھا، پھٹا پھٹ اور دنا دن کا ایک شور ہوا۔ مجھ پر قیامت ٹوٹی۔ میں سمجھا کہ اب قیامت دُم کے راستے آ گئی ہے۔ اس لیے میں دُم دبا کر بھاگا۔ دُم دباتے ہی مجھے آگ کی چٹکے لگے...... پھر تو میں دیوانہ وار بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے ایک شادی کے منڈپ میں جا گھسا۔ باراتیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ دولھے میاں چاروں خانے چت اور قاضی جی بھی لوٹ پوٹ۔ منڈپ میں سب کچھ تہس نہس ہو گیا اور پھر...... منڈپ سے بجائے دولھے کے، میری بارات نکلی...... اور جلوس کے ساتھ یہاں چلا آیا۔''

گدھے کی روداد سننے کے بعد سارے جانور خاموش رہے اور سوچتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد گھوڑے نے کہا: ''ساتھیو! ہم سب کے حالات سننے کے بعد مجھے لگتا ہے کہ ان تمام واقعات کا ذمے دار خود انسان ہے ہم نہیں۔ میرا ہی معاملہ لے لیجیے۔ اگر میرا مالک مجھے پیٹ بھر گھانس کھلا دیتا تو مجھے کیا پڑی تھی جو میں نیتا جی کا کھیت چرتا۔ اسی طرح ان کا مالک (بھینس کی طرف اشارہ کرکے) ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو کچھ دن دودھ پینے دیتا، بچوں کو قصائی کے حوالے نہ کرتا، دودھ میں پانی نہ ملاتا تو انھیں غصہ نہ آتا اور یہ پڑوس کے بچے کو نہ پٹختیں۔ یہی حال بچاری گائے

محترمہ کا ہے۔ان کا مالک انھیں دودھ کی مشین نہ سمجھتا تو کیوں یہ اپنے مالک کو سینگ مارتیں؟اور اپنی شرافت کو بٹہ لگاتیں۔اب رہا معاملہ گدھے میاں کا......میں مانتا ہوں کہ میاں گدھے واقعی بے وقوف ہیں لیکن انھیں حماقتوں پر مجبور بھی انسان ہی کرتے ہیں۔اور مزے بھی وہی لیتے ہیں۔ہم سے غلطیاں انسان کرواتا ہے اور سزا ہمیں ملتی ہے۔یعنی کرے اور کوئی، بھرے اور کوئی۔"

یہ کہتے ہوئے گھوڑے کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے......میاں گدھے کا دل بھی بھر آیا اور گائے بھینس بھی ملول ہوئیں۔پھر سب کو مخاطب کر کے گائے بولی:

"ارے ہم جانور ہوئے تو کیا ہوا، ہماری آہیں بھی رنگ لا رہی ہیں۔جب تک انسانوں کا سلوک ہمارے ساتھ بہتر نہ ہوگا، تب تک نت نئی مصیبتوں میں انسان مبتلا رہے گا۔اسی طرح سوکھے آئیں گے، سیلاب اور زلزلے آئیں گے، تباہی مچے گی، مہنگائی بڑھے گی۔لیکن یہ سب سوچ سوچ کر میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے اور میں اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ انسان کو ان مصیبتوں سے محفوظ رکھے اور ہم جانوروں سے پیار کرنے کی اسے توفیق بخشے۔"

یہ سن کر گدھے، گھوڑے اور بھینس نے "آمین" کہا اور اپنی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔
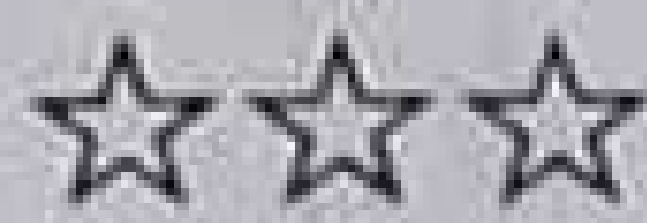
☆☆☆

حبیب سیفی آغا پوری

موسم کے پھل

موسم کے پھل جو بھی کھائے
تندرستی وہ اپنی بنائے

آموں کی تو بات نرالی
کوئی نہیں ہے ان کا مثالی

گرمی کا پھل لیچی عمدہ
ذہن و دل کو رکھے ٹھنڈا

آلو بخارا آڑو کھاؤ
کینو چیکو بھی لے آؤ

انگوروں کی شان عجب ہے
گچھوں میں بس دیتا رب ہے

جامن بھی تو رنگ جمائے
چھوٹا بڑا ہو ڈٹ کر کھائے

سیبوں کا بھی اپنا جلوہ
کھائیں کم کم کلوا ملوا

ہم نے شریفہ کھایا جب سے
اس کے عاشق ہوگئے تب سے

امرودوں کی ہے یہ کہانی
دل سے کھاتی زہرہ رانی

ککڑی اور خربوزہ کھاتے
پاپا سے تربوز منگاتے

کچا گولا اچھا لگتا
ہر موسم میں ہے یہ ملتا

کیلے کی ہے اپنی خوبی
چھوتی نہیں ہے لیکن روبی

B 12/51 E حوض رانی ۔ مالویہ نگر، نئی دہلی ۔ ۱۷

جاوید احمد کامٹوی

نائب صدر جمہوریہ

محمد حامد انصاری: عظیم شخصیت

ہندستان کے نائب صدر جمہوریہ محمد حامد انصاری کی شخصیت سے سبھی واقف ہوں گے۔ دوسری بار نائب صدر کے عہدے پر منتخب ہونے والے انصاری صاحب بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔ آپ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کا نام ضرور سنا ہوگا۔ موصوف ایک ماہر طب (ڈاکٹر) ہونے کے علاوہ ایک پکے مسلمان، ایک سچے دیش بھگت تھے، جنھوں نے ملک کی آزادی میں حصہ لیا۔ ان کا دہلی کا گھر سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا جہاں گاندھی جی اور دیگر اہم شخصیات نے قیام کیا تھا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام میں بڑا ہاتھ تھا۔ اس یونیورسٹی کے قیام میں ملک کے بڑے بڑے لیڈر جڑے ہوئے تھے اور بعد میں اس یونیورسٹی کو علی گڑھ سے دہلی منتقل کیا گیا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری ایک ماہر طب تھے اور بلقان کی جنگ کے بیماروں اور زخمیوں کی مدد کے لیے دلّی سے ایک وفد لے گئے تھے۔ ہمارے نائب صدر جناب محمد حامد انصاری کا تعلق اسی خاندان سے ہے۔ گویا سیاست اور علمیت ان کو ورثے میں ملی ہے۔

یوں تو محمد حامد انصاری صاحب کی پیدائش یکم اپریل ۱۹۳۷ء کو کولکاتا میں ہوئی مگر ان کا خاندان غازی پور (اتر پردیش) سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ انوکھی بات ہے کہ صدر جمہوریہ یعنی پرنب مکھرجی اور نائب صدر جناب محمد حامد انصاری دونوں کا تعلق موجودہ کولکاتا سے ہے۔ دوبار نائب صدر منتخب ہونے کے علاوہ محمد حامد انصاری صاحب انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن کے صدر اور پنجاب یونیورسٹی

61/A گلفشاں، سول کالونی، کلمنا روڈ، کامٹی، ناگپور-۴۴۱۰۰۲ (مہاراشٹر)

چنڈی گڑھ کے چانسلر بھی ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے فرائض بھی انھوں نے دو سال انجام دیے اور نائب صدر کے عہدے پر براجمان ہونے سے قبل وہ نیشنل کمیشن فار مائنار ٹیز کے چیئر مین بھی تھے۔

جناب محمد حامد انصاری ایک اعلا تعلیم یافتہ شخص ہیں اور بھر پور صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ آپ نے سینٹ ایڈ روڈ شملہ اور سینٹ زیورس کالج کولکاتا سے تعلیم حاصل کی۔ بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ اے پاس کیا، نیز ۱۹۶۱ء کے انڈین فارین سروس میں ان کا چناؤ ہوا، جس کی بدولت وہ مختلف ممالک میں ہندستان کے سفیر مقرر کیے گئے۔ یونائیٹڈ عرب ایمریٹس (یو۔اے۔ای) کے علاوہ افغانستان، ایران اور سعودی عربیہ میں انھوں نے سفیر کے فرائض انجام دیے اور آسٹریلیا میں بھارت کے کمشنر (قونصل جنرل) رہے، اس کے علاوہ وہ اقوام متحدہ میں ہندستان کے مستقل نمائندہ کے طور پر بھی رہے۔

محمد حامد انصاری صاحب ایک اعلا تعلیم یافتہ شخص ہیں جنھیں حکومت چلانے کا بھر پور تجربہ ہے۔ ان کا خاص موضوع مغربی ایشیا یعنی فلسطین وغیرہ کے مسائل پر ان کی مہارت ہے اس اعتبار سے انھوں نے عرب دنیا میں ہندستان کے مقام کو بلند کیا ہے۔ مقامی طور پر انھیں جموں اور کشمیر کے معاملات پر عبور حاصل ہے اور کشمیر سے ہجرت کیے گئے پنڈتوں کی باز آباد کاری میں انھوں نے اہم رول ادا کیا ہے۔ ان کی دو کتابیں خاصی اہمیت کی حامل ہیں۔ ایک کا نام ''ٹریول تھرو کان فلکٹ'' اور دوسری کا ''ایران ٹوڈے'' ہے۔ ان کی تقریر بڑی سلجھی ہوئی ہوتی ہے اور اس سے ان کی علمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ جناب محمد حامد انصاری چند گنے چنے لوگوں میں شامل ہیں جنھوں نے شیروانی کلچر کو زندہ رکھا ہے۔

طلبہ کے لیے ان کی زندگی کے حالات قابل تقلید ہیں۔ آیئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو صحت مند اور تندرست رکھے۔ آمین

☆☆☆

بہرام علی بلوچ

صبح کا بھولا

والدین کا کہنا نہ ماننا بُری بات ہے اور اس بُری بات کے کیا نتیجے نکلتے ہیں، اس کہانی میں پڑھیے!

حسب معمول آج بھی ریاض ریڈیو گیمز کی دکان پر ویڈیو گیمز کھیل رہا تھا۔ ریاض اپنے والدین کا اکلوتا لاڈلا تھا۔ اس لیے اس کو گھر سے جتنے پیسے کھانے کے لیے ملتے، وہ ان تمام پیسوں کو ویڈیو گیمز کھیل کر ضائع کر دیتا۔ اسکول کے لیے ملنے والے پیسے بھی وہ ویڈیو گیمز کھیل کر ضائع کر دیتا اور اکثر دیر سے گھر پہنچتا۔

کچھ دن تک تو وہ گھر میں یہ کہتا رہا کہ ہمارے اسکول میں آج کل پڑھائی بہت زور و شور سے جاری ہے۔ اس لیے دیر سے چھٹی ہوتی ہے۔

لیکن ایک دن جب اسکول سے چھٹی ہو چکی تھی اور وہ ویڈیو گیمز کھیل رہا تھا کہ ریاض کے گھر میں اس کا دوست محمد علی اس سے ملنے کے لیے آیا۔ اسے پتا چلا کہ ریاض گھر میں نہیں ہے۔ ریاض کی امی نے محمد علی سے پوچھا:

"بیٹا! کیا اسکول کی چھٹی ہو گئی ہے؟"

یہ سن کر محمد علی کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کہا: "آنٹی! اسکول کی تو کب کی چھٹی ہو چکی ہے۔"

اتفاق سے اس وقت ریاض کے والد صاحب بھی گھر میں موجود تھے۔ انھوں نے جو یہ سنا تو انھیں بڑی حیرت ہوئی۔

''بیٹے! روزانہ اسکول سے کس وقت چھٹی ہوتی ہے؟'' ریاض کے والد نے پوچھا۔

''جی بارہ بجے۔'' محمد علی نے کہا۔

''کیا آج کل بھی؟'' انھوں نے پوچھا۔

''جی انکل۔ روزانہ ہماری اس وقت ہی چھٹی ہوتی ہے۔'' محمد علینے جواب دیا۔

اچانک اسی لمحے ریاض بھی آن پہنچا۔ ریاض کے پہنچتے ہی اس کے والد نے پوچھا: ''ہاں، ریاض! اب بتاؤ، تم تو کہتے تھے کہ اسکول میں پڑھائی زور و شور سے جاری ہے جس کی وجہ سے دیر سے چھٹی ہوتی ہے۔ تمھارا یہ دوست محمد علی بھی تو تمھاری ہی کلاس میں پڑھتا ہے۔ پھر اس کی کس طرح پہلے چھٹی ہوگئی......؟''

''جج......جی......وہ......''

''زیادہ جی جی کرنے کی ضرورت نہیں۔ سیدھی طرح مجھے بتادو ریاض کہ آخر تم چھٹی کے بعد کہاں جاتے ہو؟'' ریاض کے والد نے غصے میں کہا۔

''ابو......میں......ویڈیو گیمز کھیلتا ہوں۔'' مجبوراً ریاض کو بتانا ہی پڑا۔

''اچھا تو صاحبزادے نے ویڈیو گیمز کھیلنا شروع کردیا ہے۔ آج تو میں تمھیں معاف کررہا ہوں۔ لیکن یاد رکھو ریاض! آیندہ میں تمھیں ویڈیو گیمز کھیلتا ہوا نہ دیکھوں۔'' انھوں نے غصے بھرے لہجے میں ریاض کو تنبیہ کی۔

دوسرے دن ریاض وقت پر اسکول سے آیا اور اسے جو جیب خرچ کے پیسے ملے تھے، ان پیسوں سے اس نے چیزیں کھائیں۔ وہ ویڈیو گیمز کھیلنے کے لیے بے قرار تھا۔ لیکن اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ شام تک تو ریاض نے صبر کے ساتھ انتظار کرلیا لیکن

اس سے اب مزید انتظار نہیں ہو رہا تھا۔ اس لیے اس نے پیسے حاصل کرنے کی ایک بہترین ترکیب سوچی اور اپنی ترکیب کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ اپنی امی کے پاس پہنچا اور کہا:

''امی! میری سائنس کی کاپی بھر گئی ہے۔ اس لیے مجھے نئی سائنس کی کاپی لینے کے لیے پیسے چاہئیں۔''

اس کی امی نے اسے پانچ روپے دیے۔ ریاض پانچ روپے لے کر بہت خوش ہوا اور خوشی خوشی سیدھا ویڈیو گیمز کی دکان پر پہنچا۔ پانچ ٹوکن خریدے، چار ٹوکن اپنی جیب میں رکھے اور ایک ٹوکن ویڈیو گیمز کی مشین میں ڈال کر کھیلنا شروع کر دیا۔

وہ مسلسل ڈیڑھ گھنٹے تک کھیلتا رہا۔ بالآخر اس کے سارے ٹوکن ختم ہو گئے لیکن جیسے ہی وہ دکان سے باہر نکلا تو اس کے والد نے اسے پکڑ لیا جو اپنے آفس سے آ رہے تھے۔ وہ اسے کان سے پکڑ کر گھر لے آئے اور اس سے پوچھا: ''میرے منع کرنے کے باوجود تم آج پھر ویڈیو گیمز کھیل رہے تھے۔''

''اوہ! تو یہ سائنس کی کاپی کے بہانے جو پانچ روپے لے کر گیا تھا، ان سے ویڈیو گیمز کھیلتا رہا ہے۔'' ریاض کی امی درمیان میں بولیں۔

''اچھا! تو اب یہ حرکتیں بھی کرنے لگے ہو۔ کاپی کے بہانے پیسے لے کر تم ویڈیو گیمز کھیلتے ہو۔'' ریاض کے والد سخت لہجے میں بولے۔

''مجھے معاف کر دیں ابو! میں آیندہ نہیں کھیلوں گا۔'' ریاض نے ابو کی مار سے بچنے کے لیے کہا۔ اس بار ریاض کے ابو نے یہ کیا کہ پہلے سے زیادہ سخت تنبیہ کر کے اسے چھوڑ دیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے جیب خرچ پر پابندی لگا دی۔

اگلے روز وہ جیسے ہی اسکول سے گھر پہنچا تو اس کی امی نے کہا: ''ریاض بیٹے! ذرا دکان سے شکر تو لے آؤ۔ شام کو چائے میں ضرورت پڑے گی۔

ریاض نے شکر کے پیسے لیے اور دکان کی طرف چل دیا۔ لیکن شکر کی دکان سے پہلے ویڈیو گیمز کی دکان آتی تھی۔ ویڈیو گیمز کی دکان دیکھتے ہی وہ بھول گیا کہ اس کے ہاتھ میں جو پیسے ہیں، وہ شکر لانے کے لیے اسے دیے گئے ہیں۔ اس نے ٹوکن خریدے اور ویڈیو گیمز کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔ اور جب پیسے ختم ہو گئے تو اسے خیال آیا کہ وہ تو گھر سے امی کے کہنے پر شکر لانے کے لیے نکلا تھا۔ ''اب کیا کروں؟'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ''اگر میں بغیر شکر لیے گھر گیا تو امی نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں گی۔ اور جب ابو کو پتا چلے گا تو......!'' اس سے آگے وہ نہ سوچ سکا اور اس کی آنکھوں سے خوف کی وجہ سے آنسو نکل آئے۔

اچانک ریاض کو اپنے کاندھے پر ایک بوجھ سا محسوس ہوا۔ وہ جلدی سے مڑا۔ وہ کوئی اجنبی آدمی تھا۔ ریاض کے چہرے پر عجیب سی گھبراہٹ کے آثار تھے۔ ''گھبراؤ نہیں میرے دوست۔ میں تمھارا ہمدرد ہوں۔'' اجنبی مسکراتے ہوئے بولا۔ اجنبی کے چہرے پر کرختگی پائی جاتی تھی۔ اور گھنی مونچھوں کے پیچھے اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے عجیب سے لگ رہے تھے۔ اجنبی کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر ریاض نے اسے اپنی پریشانی بتادی۔ پریشانی سن کر وہ بولا:

''تو اس میں گھبرانے والی کون سی بات ہے۔ تم میرے ساتھ چلو اور اپنے اس گھر کو چھوڑ دو جس میں تمھاری خواہشات کا گلا گھونٹا جاتا ہے اور تمھارے اوپر طرح طرح کی پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔ میں تمھیں اپنے بیٹوں کی طرح رکھوں گا اور تم روزانہ جتنی دیر چاہو، ویڈیو گیمز کھیلنا۔''

ریاض پر اس کی میٹھی میٹھی اور اپنی حمایت میں کہی ہوئی باتوں نے خوب اثر کیا۔ اور وہ اس اجنبی آدمی کے ساتھ چل دیا۔

وہ آدمی ریاض کو ایک عجیب ویران اور اجاڑ جگہ لے آیا۔ وہاں ریاض جیسے اور

بھی بچّے تھے جو سب مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ کچھ بدمعاش قسم کے لوگ بچوں سے اپنی ٹانگیں اور ہاتھ دبوار ہے تھے۔ باقی بچّے دوسرے کام کررہے تھے۔

یہ سب دیکھ کر ریاض اپنی جگہ لرز کر رہ گیا۔ وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ لیکن ابھی وہ یہ ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک بدمعاش نے پکڑ کر اسے دبوچ لیا:

''چل بے، تجھے بھی ان دوسرے حرام خوروں کی طرح کام کرنا ہے۔ سمجھا نواب کے بچّے۔''
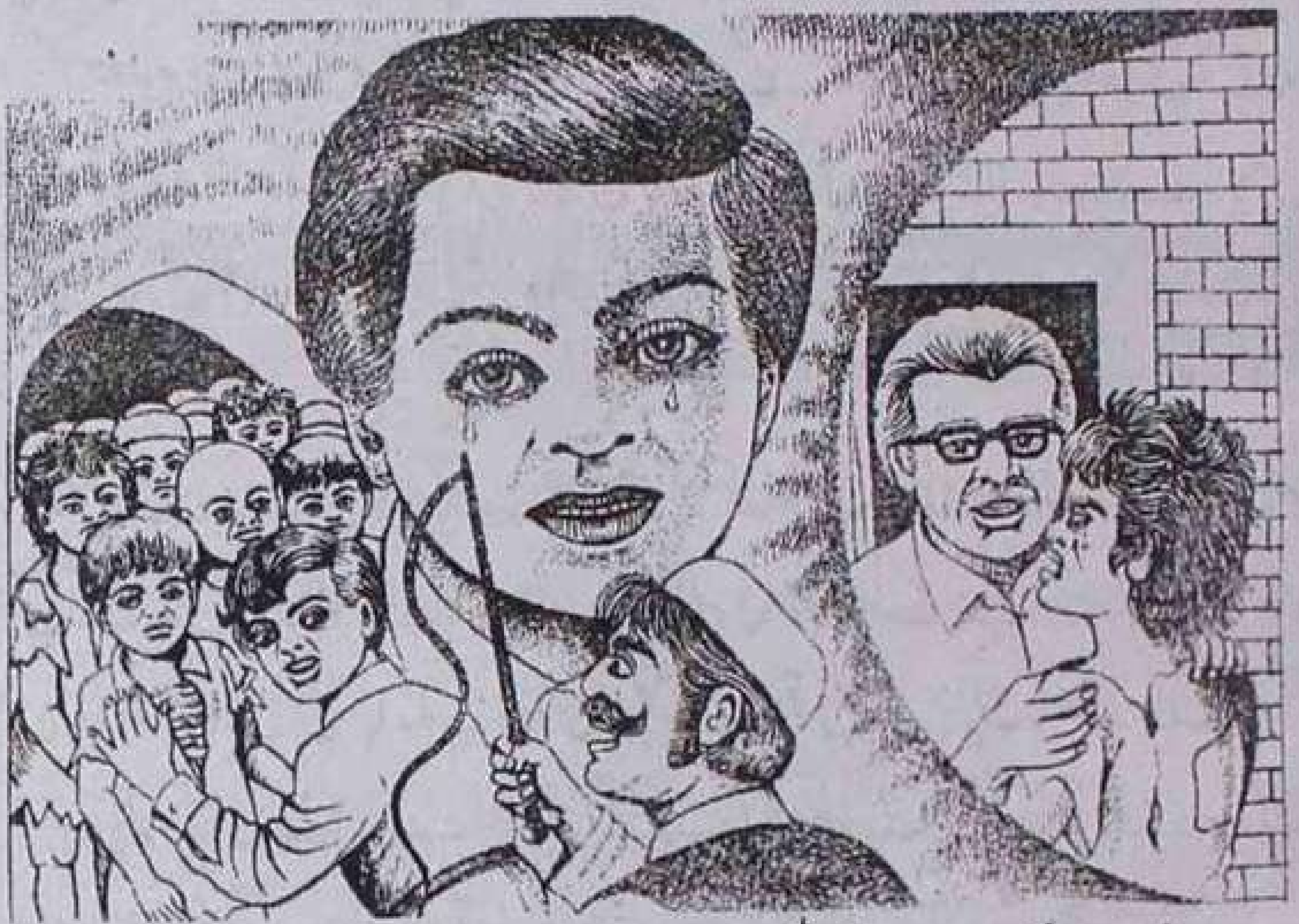
ریاض اس کی بات سن کر ٹس سے مس نہ ہوا تو بدمعاش کو غصہ آگیا اور اس نے ریاض کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ اتنی اوپر سے گرنے پر ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی اور وہ بے ہوش ہوگیا۔ ''ابے سلّو! یہ ہمارے کام کا نہیں ہے۔ یہ محنت مزدوری نہیں کرسکتا۔ اسے جب ہوش آئے تو بھکاری بنادو۔ اور تمام باتیں سمجھا دینا۔ ٹھیک ہے!'' اس نے ریاض کو لانے والے آدمی سے کہا اور ایک طرف چل دیا۔

ریاض کو جب ہوش آیا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کا پورا جسم ایک دکھتا ہوا پھوڑا بن چکا ہے۔

"ہاں آ گیا ہوش۔ بہت ویڈیو گیمز کھیلتے رہے ہو۔ اب کل سے تم بھیک مانگو گے۔ سمجھ گئے یا سمجھانے کی ضرورت ہے۔"

ہوش میں آتے ہی اس کے کانوں میں ایک دھماکا ہوا: "تو کیا اب میں بھیک مانگوں گا...... نہیں...... نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں بھیک نہیں مانگوں گا۔" سوچتے سوچتے اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تم آسانی سے نہیں سمجھو گے۔" اتنا کہہ کر اس بدمعاش نے جو ریاض کو لایا تھا، ہنٹر اٹھایا اور ریاض پر برس پڑا۔ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ریاض نے بھیک مانگنے کی حامی بھر لی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بے تحاشہ بہہ رہے تھے اور جسم کے جوڑ جوڑ میں درد کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔

اس کے بعد ریاض کو بھیک مانگنے کے گُر سکھا دیے گئے اور ساتھ ہی اس کا نام ریاض سے بدل کر راجو رکھ دیا گیا اور یوں علم کی روشنی کے لیے گھر سے نکلنے والا ریاض، راجو بھکاری بن گیا۔ اب وہ دن بھر مختلف علاقوں میں بھیک مانگتا رہتا۔

بردہ فروشوں نے اس سے کہا کہ "اگر تم نے کبھی بھاگنے کی کوشش کی تو زندہ آگ میں جلا دیے جاؤ گے۔ ہمارے آدمی ہر وقت تمھاری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔" یہ سن کر راجو مزید سہم گیا اور اس نے کبھی بھی بھاگنے کا خیال دل میں نہ آنے دیا۔ اس طرح بھیک مانگتے ہوئے اسے کئی ہفتے گزر گئے۔

اس دن ریاض نے ایک علاقے میں بھیک کی غرض سے ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو بہت جلد دروازہ کھلنے پر اس کے والد باہر نکلے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو فوراً پہچان لیا اور بیتابی سے آپس میں چمٹ گئے۔ دراصل ریاض کے گم ہونے کے

بعد ریاض کے والد نے کافی تلاش کی لیکن جب ریاض نہ ملا تو انھوں نے وہ علاقہ ہی چھوڑ دیا اور دوسرے علاقے میں نیا گھر لے لیا۔

ریاض نے اپنے والد کو سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح وہ ریاض سے راجو بنا۔ ریاض کے والد نے تمام روداد سننے کے فوراً بعد پولیس کو فون کیا۔

پولیس کی فوری اور بروقت کارروائی سے تمام مجرم پکڑے گئے۔ پھر عدالت نے انھیں ان کے بے شمار جرائم کی عبرت ناک سزا سنائی۔

اس دن کے بعد ریاض ایک اچھا اور سمجھدار لڑکا بن چکا تھا جو اپنے ماں باپ کا کہنا کبھی نہیں ٹالتا تھا۔

☆☆☆

ایک نظر اِدھر بھی ضرور توجہ فرمائیں

☆ آپ کے پتے میں مدت خریداری پر سرخ نشان ◯ کا مطلب ہے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوگیا ہے۔ اس پر ضرور دھیان دیں۔ فرداً فرداً یاد دہانی کرانا مشکل ہے۔

☆ مدت ختم ہوتے ہی نئے سال کے لیے زرتعاون پیام تعلیم، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 کے نام پر ارسال کریں۔

☆ کسی وجہ سے رسالہ بند کروانا چاہتے ہیں تو مدت ختم ہونے سے پہلے اس کی اطلاع دیں تاکہ ادارے کو نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

☆ خط کتابت کرتے وقت اپنا پتا اور خریداری نمبر صاف صاف لکھیں۔

(ادارہ)

عادل حیات

وقت کا پھیر

روز سنائیں میری نانی اپنے وقت کی ایک کہانی
نانا کی تنخواہ تھی تھوڑی ورثے نے املاک نہ چھوڑی
اس پر بھی ہوجاتا گزارا رونق تھی، رنگین نظارا
سستی ساری چیزیں ملتیں اور چہرے پر خوشیاں کھلتیں
چاول، گیہوں، دالیں سستی منہگائی کی ایک نہ چلتی
کتنی سستی تھی سبزی بھی کھاکر جس کو کرتے مستی
کیلے تھے دو پیسے درجن کھانے میں تھے سیب بھی مکھن
پیڑے، لڈو اور ملائی جی بھر کر سب کھاتے بھائی
کم پیسوں میں سوٹ بھی بنتا اور بوٹ اس پر چم چم کرتا
بس میں لگتے تھوڑے پیسے ریل ٹکٹ بھی ملتے سستے
پڑھنا لکھنا بھی تھا سستا روز نیا لے آتے بستا
دو پیسے میں پکچر جاتے اتنے ہی میں سیر کر آتے
سستی چیزوں کا تھا چرچہ پیسے کم تھے، کم تھا خرچہ
پاپا کی تنخواہ کو سن کر کہنے لگیں وہ آہیں بھر کر
اس یگ میں ہے کب آسانی
بارہ روپئے فی لیٹر پانی

ووڈ سائیڈ اپارٹمنٹ، جوہری فارم، جامعہ نگر، نئی دہلی

محمد خلیل (سائنسداں)
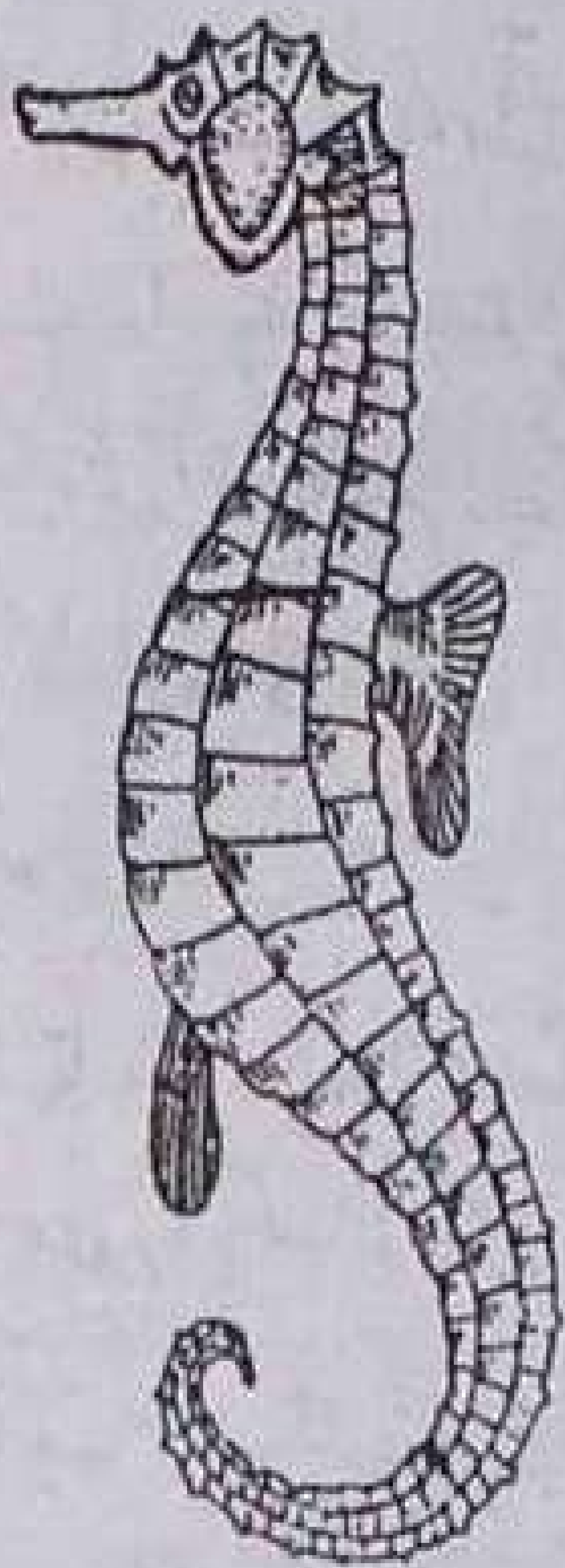
سمندری گھوڑا مچھلی
(Sea Hourse)

سمندری گھوڑا، مچھلی خاندان کی ایک انوکھی سمندری مچھلی ہے۔ اس کا سر گھوڑے جیسا ہوتا ہے اور چھاتی کبوتر جیسی، جبکہ دُم سانپ جیسی ہوتی ہے۔ اس کا منہ چھوٹا، نلی جیسا ہوتا ہے، جس کے ذریعے یہ غذا کو جذب کرتی ہے۔

یہ سمندری چھوٹی جاندار مچھلی دوسری مچھلیوں کے انڈوں کو اپنی غذا کے طور پر کھاتی ہے۔ اس کی دو آنکھیں ایک ساتھ مختلف کام کرتی ہیں۔ ایک آنکھ پانی کی سطح تک دیکھ سکتی ہے تو دوسری سمندر کی گہرائی تک دیکھتی ہے۔ یہ سمندر میں کھڑے کھڑے تیرتی رہتی ہے۔ اس کی دُم تیرنے میں اس کی مددگار ہے۔ اس کے تیرنے کے طریقے کو دیکھ کر اس کو مچھلی سمجھنا بھی مشکل لگتا ہے۔ اس کے جسم پر پَر بھی ہوتے ہیں۔ اس کی بناوٹ ایک انچ سے دو فُٹ تک ہوتی ہے۔ اور یہ مچھلی سبھی گرم سمندروں میں پائی جاتی ہے۔ یہ کئی رنگوں میں ملتی ہے مثلاً گلابی، سفید، پیلی، نیلی اور بھورے رنگوں میں۔ یہ دیکھنے میں بہت خوبصورت لگتی ہے۔ اس مچھلی میں بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ جب اسے کسی خطرے سے بچنا ہوتا ہے تو اس وقت یہ اپنے پاس کی چٹانوں کا رنگ بدل کر بچاؤ اختیار کر لیتی ہے۔

۵۱، ڈاکٹر اقبال لین، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی

سمندری گھوڑا مچھلی کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس کے جسم میں کنگارو کی طرح ایک تھیلی ہوتی ہے، جس میں یہ اپنے انڈے رکھتی ہے۔ مگر یہ بہت ہوشیار ہوتی ہے۔ اپنے انڈے اپنی تھیلی میں نہیں بلکہ نر سمندری گھوڑا مچھلی کی تھیلی میں رکھتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ انڈے نہیں دے سکتا تو کم از کم انڈے سنبھال کر رکھ تو سکتا ہے۔ یہ سوچ کر مادہ گھوڑا مچھلی اس نر کی تھیلی میں اپنے انڈے رکھ دیتی ہے اور انڈے بھی کافی ہوتے ہیں۔ انھیں سنبھالنا کوئی آسان کام نہیں لیکن اپنے کام کو ایمانداری سے انجام دیتا ہے۔ اس طرح بچوں کے لیے نر بھی کچھ کم فکر مند نہیں ہوتا۔ ساری دنیا میں سمندری گھوڑا مچھلی کی تقریباً پانچ سو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ مادہ سمندری گھوڑا مچھلی ایک مرتبہ میں تقریباً دو سو انڈے دیتی ہے۔ نر ان انڈوں کو چالیس سے ساٹھ دنوں تک اُٹھائے پھرتا ہے۔ جب انڈوں میں سے بچّے نکلتے ہیں تو اس وقت نر اپنے تھیلے کو توڑ کر انھیں آسانی سے باہر نکلنے دیتا ہے۔

یہاں یہ ذکر دلچسپ ہوگا کہ قدیم زمانے سے ہی سائنس دانوں کو سمندری گھوڑا مچھلی کے بارے میں جانکاری تھی۔ کہتے ہیں اس زمانے میں یونانی لوگ سمندری گھوڑے سے ڈرتے تھے اور ان کے خیال میں اس میں کوئی جادوئی طاقت دکھائی دیتی تھی۔

یہ چھوٹی سی انوکھی مچھلی کئی طرح کے کھیلوں میں ماہر ہے۔ گھاس کے پودوں پر یہ آرام سے لٹک جاتی ہے اور پھر اس پر پھسلتی اور چڑھتی ہے۔ کئی سمندری گھوڑا مچھلی مل کر پانی میں ایک قسم کی رسہ کشی کا کھیل کھیلتی ہیں اور قلابازیاں دکھاتی ہیں۔

گھوڑا مچھلی اپنے شکار کو گھیرنے میں ماہر نہیں ہے۔ اس لیے سمندر میں موجود چھوٹے جانداروں کو ہی اپنا شکار بناتی ہے۔ یہ شیر کی طرح تازہ شکار کھانے میں یقین رکھتی ہے۔ جب بھوک لگی جب ہی شکار کیا اور کھا لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سمندر میں غذا

کی کوئی کمی تو ہے نہیں، اس طرح زیادہ شکار کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ضرورت کے مطابق گھوڑا مچھلی شکار کرتی ہے۔ اس طرح شکار کی حفاظت کا اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

اس کی طبی میدان میں بھی بڑی اہمیت ہے۔ اس مچھلی کی راکھ سے زہر کو مارنے والی دوا تیار کی جاتی ہے۔ پاگل کتّے کے کاٹنے پر سمندری گھوڑا مچھلی سے تیار کی ہوئی دوا استعمال کرائی جاتی ہے۔ جسم کی کھال کے کئی امراض میں مثال کے طور پر گنجے پن کے لیے بھی اس مچھلی سے دوائیں تیار کی جاتی ہیں۔

☆☆☆

حیدر بیابانی

دوستی

دوستوں کی دوستی کیا خوب ہے
دوستی سے زندگی کیا خوب ہے

دوستی دل داریوں کا نام ہے
دل سے دل کو جو ملے انعام ہے

ساتھ میں اخلاص جو شامل رہے
دوستی ہر ہر قدم آگے بڑھے

دوستی ہمدرد ہم مکتب سے ہو
دوستی جو پاس ہیں ان سب سے ہو

ہر کسی سے دوستی کا دم بھریں
دوستی اپنے پڑوسی سے کریں

بھائی بندی سے بڑی ہے دوستی
ہر بلندی سے بڑی ہے دوستی

ہر قدم پر ہو ضرورت دوست کی
دل کے شیشے میں ہو صورت دوست کی

دوستی کی قدر و قیمت جان لیں
دوستی کو اک عبادت مان لیں

دوستی کے بیج بودیں ہر طرف
دشمنی ہو زندگی سے برطرف

بسیرا، اچل پورسٹی، امراوتی، مہاراشٹر۔ ۴۴۴۸۰۶

عبدالحمید انصاری

پانی کہاں گیا

مزدوری کرنے کے لیے ایک غریب شہر پہنچا۔ شہر کے باہر عمدہ عمدہ مکانات نظر آئے اور ایک جگہ باغیچہ بھی نظر آیا، اور وہاں ایک مالی بھی کام کر رہا تھا۔ دریافت کرنے پر وہ اسے کام پر رکھنے کے لیے راضی ہو گیا۔

کام تھا ایک قد آور مٹکے میں پانی بھرنا۔ اونچائی پر رکھا ہوا مٹکا پرانا تھا اور اس میں کم از کم سو ڈول پانی ڈالنا پڑتا تھا جس کی مزدوری سو روپے تھی۔ کنواں دور تھا اور شرط یہ تھی کہ مٹکا بھرنے پر مزدوری ملے گی۔

مالی کام بتا کر چلا گیا اور کہہ گیا کہ شام کو آؤں گا۔ مٹکا بھرا ہوا ہوگا تو روپے ملیں گے ورنہ نہیں......

غریب مزدور نے پانی لا کر ڈالنا شروع کیا۔ ایک ڈول، دو ڈول، دس ڈول...... پھر اندازہ کرنے کے لیے دیکھا تو مٹکے میں بہت تھوڑا سا ہی پانی نظر آیا۔ کچھ دیر بیٹھ کر سوچتا رہا اور پھر دیکھا تو مٹکے میں پانی ندارد۔ اب پریشان ہوا کہ اسی طرح شام تک محنت کر کے بھی مٹکا نہیں بھرے گا اور روپے نہیں ملیں گے۔

اب وہ باغیچہ میں گھوم پھر کر دیکھنے لگا تو اسے ایک جگہ زیادہ ہریالی نظر آئی۔ وہاں مٹی زیادہ گیلی معلوم ہوئی۔ اس نے اس جگہ مٹی ہٹا کر دیکھی تو اسے ربر کی ایک نلی نظر آئی۔ اسے کھینچ کر دیکھا تو محسوس ہوا کہ دور تک یہ دبی ہوئی ہے۔ اس نے اس ربر کی نلی کا منہ باندھ دیا اور واپس مٹکے کے پاس آ کر پھر پانی بھرنے شروع کیا۔ اب وہ پانی

مسلم نگر، دھولیہ، مہاراشٹر

ڈالتا جاتا تو مٹکا دھیرے دھیرے بھرنا شروع ہوگیا۔ اور آخر کار پورا مٹکا بھر گیا......
مزدور اب آرام سے درخت کے نیچے بیٹھ کر آرام کرنے لگا۔

شام میں مالی آیا۔ مٹکا بھرا ہوا دیکھ کر اس کو تعجب ہوا۔ اس نے مزدور کی مزدوری مالک سے لاکر دے دی اور شاباشی دی کہ تم نے صرف محنت سے ہی کام نہیں لیا بلکہ اپنی سوجھ بوجھ سے کام لے کر پانی کہاں جاتا ہے یہ معلوم کیا۔ روزانہ آنے والے مزدور صرف جسمانی محنت کرتے اور واپس چلے جاتے۔

یہ باغیچہ ایک انجینئر کا ہے اور انھوں نے اس بڑے مٹکے سے منسلک ربر کی نلی لگا رکھی ہے جو زیر زمین دور تک گئی ہے۔ جہاں پانی کی ضرورت ہوتی وہاں اسے کھول دیا جاتا ہے تاکہ پودے پھولیں پھلیں۔ اب چونکہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اس لیے مزدوروں سے پانی بھرنے کا کام لیتا ہوں۔ تم ذہین ہو تو میں مالک سے بول کر تمھیں رکھ لیتا ہوں اور تمھیں باغیچہ کا کام بھی سکھلا دوں تاکہ تمھاری آیندہ زندگی اچھی گزرے۔ ☆☆☆

ڈاکٹر انور ادیب

ڈاکٹر ہنی مین۔ ہومیوپیتھی کے موجد

بچو! آؤ آج میں تمھیں ایک مشہور شخص کے متعلق بتاتا ہوں، جس نے میڈیکل سائنس میں ایک انقلاب برپا کردیا۔ اس نے علاج کا ایک موثر اور بے ضرر طریقہ ایجاد کیا۔ اس طریقے کو دنیا ہومیوپیتھی کے نام سے جانتی ہے۔

ہنی مین کا پورا نام کرسچین فریڈرک سمیول ہنی مین ہے۔ ان کے والد کا نام کرسچین گوڈ فرڈ اور والدہ کا نام کرسچیانا تھا۔ ان کی پیدائش ۱۰ر اپریل ۱۷۵۵ء میں جرمنی کے شہر مائی سین میں ہوئی۔ ان کے والد ایک غریب آدمی تھے جو ایک کارخانہ میں چینی مٹی کے برتنوں پر نقاشی کا کام کیا کرتے تھے۔ یہ ان کا خاندانی پیشہ تھا۔ ہنی مین کو پانچ سال کی عمر سے ہی مطالعہ کا بے حد شوق تھا لیکن ان کے والد چاہتے تھے کہ ہنی مین ان کا ہاتھ بٹائے۔ چنانچہ انھوں نے اسے اسکول جانے سے منع کردیا۔ جب یہ بات ان کے استاد کو معلوم ہوئی تو انھوں نے ہنی مین کے والد سے ہنی مین کے اسکول نہیں جانے کی وجہ دریافت کی۔ ان کے والد نے جواب دیا کہ میں غریب آدمی ہوں۔ میرے لیے اسے اسکول بھیجنا مشکل ہے۔ ماسٹر ملر نے کہا کہ ہنی مین ایک بے حد ذہین اور ہونہار لڑکا ہے۔ اگر آپ اس کی تعلیم کے اخراجات پورے نہیں کرسکتے تو میں یہ اخراجات اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ اس کے بعد ہنی مین باقاعدہ اسکول جانے لگے اور رات دن مطالعہ میں لگ گئے۔ اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھوں نے

ابراہیم منزل، مسدی محلہ، ریل پار، آسنسول۔۷۱۳۳۰۲ (مغربی بنگال)

ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنی چاہی لیکن ان کے والد تنگدستی کے باعث میڈیکل کالج کی فیس جمع نہیں کر سکے۔ ان کے اسکول کے کے ہیڈ ماسٹر کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے میڈیکل کالج کے پرنسپل سے درخواست کر کے اس کی فیس معاف کرادی۔ اس طرح ہنی مین کا داخلہ میڈیکل کالج میں ہوگیا۔ انھوں نے پڑھنے میں خوب محنت کی۔ اور ۲۴ سال کی عمر میں ۱۷۷۹ء میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی جو میڈیکل تعلیم کی ایک اہم ڈگری مانی جاتی ہے۔

ہنی مین زبردست صلاحیت کے مالک تھے۔ جرمنی کے علاوہ دیگر زبانوں کے سیکھنے کا انھیں بے حد شوق تھا چنانچہ ۲۰ سال کی عمر میں انھوں نے انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، یونانی، اطالوی، اسپینی، سیرین، عبرانی، عربی زبانوں میں مہارت حاصل کی تھی۔ اس طرح جرمنی سمیت وہ دس زبانوں کے ماہر تھے۔ یہ ایک غیر معمولی صلاحیت تھی۔ انھوں نے بہت سی کتابوں کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا اور خوب شہرت حاصل کی۔

دسمبر ۱۷۸۹ء میں انھوں مس ہنری ٹیسا کولکری نامی ایک خاتون سے شادی کی اور ڈرسڈن اسپتال میں سول سرجن کے عہدے پر کام کرنے لگے۔ لیکن یہاں ان کا دل نہیں لگا چنانچہ انھوں نے جرمنی کے شہر لپ زگ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پریکٹس شروع کردی۔ لیکن ایلوپیتھی طریقہ علاج انھیں پسند نہیں تھا۔ کیونکہ انھیں اپنی دس سال کی پریکٹس کے دوران بہت سے نقصان نظر آئے۔ انھوں نے علاج کے اس طریقے کو ترک کردیا۔ وہ علم کیمیا کے زبردست ماہر تھے۔ وہ میڈیکل کتابوں کے مطالعہ اور دواؤں کی تحقیق میں لگ گئے۔ وہ علاج کا ایک ایسا طریقہ معلوم کرنا چاہتے تھے جو قانون قدرت کے موافق ہو اور دواؤں کے مضر اثرات سے پاک ہو، دوران مطالعہ سنکونا (ایک درخت جس کی چھال سے کونین تیار کی جاتی ہے) کی خاصیت نظر سے گزری۔ یہ جاڑا بخار (ملیریا) میں بے حد مفید ہے۔ انھوں نے سنکونا کی تھوڑی سی

مقدار ملیریا کے ایک مریض کو کھلائی۔ چند گھنٹے کے بعد مریض بالکل تندرست ہو گیا۔ اس کے بعد ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دیکھیں سنکونا کے استعمال کا ایک تندرست آدمی پر کیا اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے خود ہی سنکونا کو استعمال کیا۔ اس کے کچھ ہی دیر کے بعد ان کو سردی محسوس ہونے لگی اور ملیریا کی تمام علامات نمودار ہوئیں۔ لہٰذا ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ جو دوا ایک مرض پیدا کر سکتی ہے وہی دوا اس کو دور بھی کر سکتی ہے۔ یہ تھا پہلا تجربہ جس پر ہومیو پیتھی کی بنیاد پڑی۔ دوران تجربہ انھوں نے دیکھا کہ کم مقدار میں دوا کا اثر جلدی ہوتا ہے۔ اس کے بعد بہت سی دواؤں کو اپنے اوپر اور اپنے بال بچوں کے اوپر تھوڑی مقدار میں دے کر آزماتے رہے اور جو علامات پیدا ہوئیں ان کو نوٹ کرتے رہے۔ ۱۸۰۶ء میں انھوں نے علاج کے اس طریقے کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور ۱۸۱۰ء میں آرگینن کے نام سے ایک کتاب شائع کی جس میں اس طریقۂ علاج کے اصول کا ذکر ہے۔

یہ ہومیو پیتھی کی بنیادی کتاب ہے۔ یہ کتاب بے حد مقبول ہوئی۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس طریقۂ علاج پر متعدد کتابیں لکھیں۔ علاج کے اس نئے طریقے پر شروع میں مخالفت بھی ہوئی لیکن آخر کار سچائی کی جیت ہوئی۔ ہومیو پیتھی آج دنیا کی ایک نہایت مفید اور بے ضرر طریقۂ علاج تسلیم کی جاتی ہے۔ یورپ، امریکہ اور ایشیا کے مختلف ملکوں میں رائج اور نہایت مقبول ہے۔

ڈاکٹر ہنی مین ایک نیک انسان تھے۔ انھوں نے ہمیشہ دوسروں کی مدد کی۔ انھیں خدا کی رحمت پر پورا بھروسا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ دوا میں دیتا ہوں اور شفا خدا دیتا ہے۔ علاج کی دنیا میں عظیم انقلاب پیدا کرنے والا ڈاکٹر ہنی مین ۲ جولائی ۱۸۴۳ء میں ۸۸ سال کی عمر میں رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

اے۔ جے عادل (علیگ)

امتحان

امتحان آگیا اب پڑھو رات دن
چھوڑو تفریح کہ محنت کرو رات دن

ہے محنت میں ہی کامیابی نہاں
جاتی محنت نہیں ہے کبھی رائیگاں

کون ناداں ہے جو یہ سمجھتا نہیں
گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

جوش و جذبہ سے تیاری ساری کرو
تم کو بننا ہے گر کچھ تو آگے بڑھو

جو بھی پڑھنا ہے اس کو سمجھ کر پڑھو
ہو کٹیشن یا معنی تو اس کو رٹو

بچو نقل سے امتحاں جب بھی دو
ذہانت پہ اپنی بھروسہ رکھو

جتنا پوچھا گیا ہے جواب اتنا دو
نہ کم اس سے لکھو نہ زیادہ لکھو

اچھے نمبر جو چاہو تو بچّو سنو!
صاف کاپی رکھو اور اچھا لکھو

ٹاپ کرنا ہے دل میں یہ جذبہ رکھو
بلند حوصلہ اور ہمت رکھو

4/523، ڈاکٹر زبیر اسٹریٹ، نزد جمال پور چوک، علی گڑھ۔ ۲۰۰۰۲

ڈاکٹر بانو سرتاج

کراس ورڈ (معمّا) کی کہانی

ہفتہ وار اخبار نیویارک ورلڈ (The New york World) کے اڈیٹر آرتھر وین (Arther Ven) کرسمس کے موقع پر اخبار کا خاص نمبر نکالنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ انھوں نے کئی پلان بنائے مگر کوئی انھیں پسند نہیں آیا۔ وہ ہر سال خاص نمبر Chrismas Issue میں کوئی نہ کوئی نئی چیز پیش کرتے جس سے قارئین خوش ہوتے اور اخبار کی فروخت بڑھ جاتی۔ ایک روز اچانک انھیں خیال آیا کہ اگر حروف کو ادھر اُدھر کرکے یا درمیان سے حروف غائب کرکے، یا لفظ کے معنی دے کر خالی خانوں میں حروف بھر کر الفاظ بنانے کے لیے کوئی پہیلی بنائی جائے تو بڑا مزہ آئے گا بس وہ مصروف ہوگئے۔

1		2		3		4
		5		6		
7						8
9				10		

آرتھر نے بڑی محنت اور لگن سے ایک بڑا چوکور خانہ بنایا۔ اس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنائے۔ اس میں اوپر سے نیچے اور بائیں سے دائیں حروف بھر کر لفظ بنانے کے لیے اشارے طے کیے اور نام رکھا کراس ورڈ (Cross Word pussle) ۱۹۱۳ء کے 'دی نیویارک ورلڈ' (The New york World) کے کرسمس نمبر میں اول کراس ورڈ شائع ہوا۔

عقب آکاش وانی، سول لائن، چندراپور، مہاراشٹر۔ ۴۴۲۴۰۱

آرتھر وین کے کراس ورڈ معما کو اتنی زبردست مقبولیت حاصل ہوئی کہ ایک ہی دن میں اخبار کی تمام کاپیاں فروخت ہوگئیں۔ اسے قارئین کی پسندیدگی کے بے شمار خطوط ملے جس میں اس سلسلہ کو جاری رکھنے کی فرمایش کی گئی تھی۔

آرتھر وین نے قارئین کی خواہش کا احترام کیا۔ اخبار میں پابندی سے کراس ورڈ شائع کرنے لگے۔ حروف ہی کے نہیں بلکہ تصویری کراس ورڈ بھی وجود میں آئے اور باذوق قارئین کی تسکین کا ذریعہ بنے۔

۱۹۲۴ء میں سائمن (Simon) اور شوسٹر (Shooster) نامی دو نوجوانوں نے مل کر بہت سے معمّے تیار کیے اور انھیں مسودہ کی شکل دے کر پبلشرز کے چکّر لگانے لگے مگر کوئی بھی پبلشر کراس ورڈ کے مجموعہ کو کتابی شکل دینے کو تیار نہ ہوا۔ آخر ان دونوں نے خود ہی بڑی مشکلوں سے رقم کا انتظام کیا اور کتاب شائع کی۔ کتاب شائع کرنے میں ان کی جمع کردہ ساری رقم خرچ ہوگئی۔ رقم نہ ہونے سے پبلسٹی نہ ہوسکی۔ اس لیے ابتدا میں ان کی کتاب کو کوئی رسپانس نہ ملا۔ سائمن اور شوسٹر کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں...... مگر پھر وہ کرشمہ ہوا جس کی دونوں نے امید نہ کی تھی۔

کتاب کی وہ دھوم مچی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ساڑھے تین لاکھ کاپیاں فروخت ہوگئیں۔

امریکہ کے بعد برٹین میں بھی کراس ورڈ معما باقاعدگی سے شائع ہونے لگے۔ بڑے اور بچے سب معمّوں کے دیوانے ہوگئے۔ رفتہ رفتہ ساری دنیا معمّوں کی شائق ہوگئی۔

آج نہ صرف بچوں کے رسائل میں بلکہ بڑوں کے رسائل یہاں تک کہ خالص ادبی رسالوں میں بھی کراس ورڈ پہیلی یا معمّوں نے مقام بنالیا ہے۔

کراس ورڈ معمّے، ذخیرۂ الفاظ اور علم بڑھانے کا بہترین ذریعہ تو ہیں ہی، خالی وقت کو مفید طریقہ سے گزارنے کا ذریعہ بھی ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر　قسط ۱۰

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سیرت

سب سے سچی کہانی

چبوترے کے قریب عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ سردار بار بار لوگوں کو خاموش ہونے کے لیے کہہ رہا تھا لیکن کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ عبداللہ وقتِ مقررہ پر اپنی جھونپڑی سے وہاں پہنچا تو ہنگامے میں مصروف لوگ ایک دم خاموش ہو گئے۔ سردار کو سخت حیرت ہوئی کہ جس ہنگامے کو وہ آدھے گھنٹے سے ختم کرنے کے لیے زور لگا رہا تھا، عبداللہ کے آتے ہی تمام لوگ بالکل خاموش ہو کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے ہیں۔

عبداللہ نے سردار سے پوچھا کہ یہ ہنگامہ کس بات پر ہو رہا تھا؟

سردار نے بتایا کہ چند سال پہلے ہمارے جزیرے کے قریب ایک چھوٹا سا جزیرہ تھا جس کی آبادی تقریباً ڈیڑھ سو افراد سے زیادہ نہیں تھی۔ ایک بار سمندری طوفان کی وجہ سے یہ چھوٹا سا جزیرہ ڈوب گیا۔ جزیرے کے لوگوں نے کشتیوں پر بیٹھ کر بڑی مشکل سے جان بچائی۔ لیکن پھر بھی کئی لوگ سمندری طوفان کی نذر ہو گئے۔ تقریباً سو کے قریب لوگ ہمارے جزیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکے۔ ہم نے ہمدردی کے جذبے کے تحت شمال کی جانب ساحل سمندر کے کنارے انھیں رہنے کے لیے ایک جگہ دے رکھی ہے۔ یہ لوگ وہیں رہتے ہیں۔ انھیں ہمارے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ کی اجازت نہیں۔ اگر اُن کے پالتو جانور اپنی مخصوص حدود سے باہر آ کر ہماری فصلوں یا درختوں کو نقصان پہنچائیں تو اس کا سختی سے جواب دیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے

کئی بار آپس میں ہنگامہ اور تصادم بھی ہو جاتا ہے۔

آج بھی ایسی صورت حال پیش آئی ہے۔ ان لوگوں کے پالتو جانور ہمارے کھیتوں میں گھس آئے تھے جس سے کئی لوگوں کی فصلیں خراب ہو گئیں۔ ہمارے لوگوں کا مطالبہ ہے کہ ان غیر لوگوں کو یہاں سے نکال دیا جائے۔ یہ کسی دوسرے جزیرے میں جا کر رہیں۔ یہ وہ ہنگامہ ہے جو اس وقت ہو رہا تھا اور اس کا حل سمجھ میں نہیں آ رہا۔" سردار نے بے بسی کے عالم میں عبداللہ کو بتایا۔

"کل میں نے سب سے اچھی اور سب سے سچی کہانی کو جس جگہ چھوڑا تھا، اس جگہ ساگو نے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدینہ آ کر سب سے پہلے کیا کام کیا تھا؟ وقت کی کمی کی وجہ سے میں نے ساگو سے کہا تھا کہ اس کے متعلق اگلے روز بتاؤں گا۔

عجیب اتفاق ہے کہ آج میں جس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں، وہ بات اگر آپ لوگوں کی سمجھ میں آ گئی تو یہ روز روز کی لڑائی اور جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا......"

عبداللہ کی بات جاری تھی کہ سردار نے جلدی سے پوچھا: "وہ کیسے"

"میں نے کل جہاں سے کہانی چھوڑی تھی، وہاں سے دوبارہ شروع کروں گا تو آپ لوگوں کو اپنے مسئلے کا حل سمجھ میں آ جائے گا۔"

عبداللہ نے کہانی دوبارہ شروع کرتے ہوئے کہا:

"رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ لوگ جو ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے، انھیں مہاجر کہا جاتا تھا اور وہ لوگ جو مدینہ کے رہنے والے تھے اور جنھوں نے اسلام قبول کیا تھا، انھیں انصار کہا جاتا تھا۔ انصار نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے مسلمانوں کو اپنا مہمان بنایا تھا۔ عربی زبان میں انصار مدد کرنے والوں کو کہتے ہیں۔ اس لیے مدینہ کے مسلمان انصار کہلائے۔

رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''آج سے یہ تمھارے بھائی ہیں۔''

اس کے بعد رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری کو بلاتے اور فرماتے: ''آج سے تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ اس طرح......''

عبداللہ کی بات جاری تھی کہ سردار نے کہا: ''بس بس، میری سمجھ میں ساری بات آ گئی ہے۔ میرے جزیرے اور ساتھ والے ڈوبے ہوئے جزیرے کے لوگوں کے درمیان لڑائی اور فساد کا ایک ہی حل ہے کہ ان دونوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا جائے۔ میں آج اعلان کرتا ہوں......'' سردار نے بھی ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ وہ لوگ جو کچھ دیر پہلے آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے، انھوں نے آپس میں بغل گیر ہونا شروع کر دیا۔ جزیرے پر رہنے والے ہر فرد کے لیے یہ انوکھا منظر تھا کہ کئی سال سے معمولی باتوں پر لڑنے اور جھگڑنے والے لوگ آپس میں گلے مل رہے تھے اور شیر و شکر ہو رہے تھے۔

''آج میرے لیے خوشی و مسرت کا یہ بہت بڑا واقعہ ہے۔ خوشی کے اس موقع پر میری جانب سے جزیرے کے تمام لوگوں کے لیے رات کے کھانے کی دعوت عام ہوگی اور کھانے کی اس تقریب کے خاص مہمان عبداللہ ہوں گے۔'' سردار نے جیسے ہی یہ اعلان کیا، چاروں جانب ''ہمارا سردار زندہ باد۔ ہمارا سردار زندہ باد'' کے نعرے گونجنے لگے۔

نعروں کی شدت میں کمی واقع ہوئی تو عبداللہ نے سب سے اچھی اور سب سے سچی کہانی کا سلسلہ دوبارہ شروع کرتے ہوئے کہا: ''انصار اور مہاجرین کے درمیان قائم ہونے والا بھائی چارہ دنیا کی منفرد مثال تھی۔ مسلمانوں کے درمیان قائم ہونے والا یہ رشتہ اتنا مضبوط تھا کہ انصار نے اپنے مہاجرین بھائیوں کو اپنے کاروبار اور جائیداد تک میں ساتھی بنا لیا۔ جس کے پاس دو گھر تھے، اس نے ایک گھر اپنے

مہاجرین بھائی کو دے دیا اور اگر کسی کے پاس گھر کا سامان نہ تھا تو اپنا آدھا سامان اپنے مہاجرین بھائی کے حوالے کر دیا۔ دوسری طرف مہاجر بھی ایسے تھے جو اپنے انصار بھائیوں پر بوجھ بننے کے بجائے محنت مزدوری اور چھوٹا موٹا کاروبار کر کے اپنی روزی کمانے لگے۔"

عبداللہ سانس لینے کے لیے رُکا تو باکو نے کہا: "میرے خیال میں کہانی ختم ہو گئی ہے۔ اب تو سب لوگ آرام سکون سے رہنے لگے ہوں گے اور اپنے اپنے کاروبار میں مگن ہو گئے ہوں گے۔"

"ابھی تو کہانی جاری ہے اور اس میں آگے کئی اتار چڑھاؤ آنے والے ہیں۔ اس لیے خاموشی سے کہانی سنتے جائیں۔" عبداللہ نے یہ کہتے ہوئے دوبارہ کہانی شروع کی:

"یثرب شہر جو رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد مدینۃ النبی بن گیا تھا، پھر اسے صرف مدینہ کہا جانے لگا۔ اس شہر میں یہودیوں کا بڑا اثر تھا۔ زمینوں اور جائیداد کے زیادہ تر یہی مالک تھے۔ بازاروں میں اکثر دکانیں انھیں کی تھیں۔ تجارت بھی انھیں کے ہاتھ میں تھی۔"

"یہ یہودی کون تھے؟"

ساگو نے پوچھا۔

"رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو نبی آئے، ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی شامل تھے۔ ان کے ماننے والوں کو یہودی کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو آسمانی کتاب نازل ہوئی، اس کا نام تورات ہے۔ اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو نیکی اور اچھائی کی باتیں بتائی تھیں اور حکم دیا کہ ان سب باتوں پر عمل کرو۔ لیکن انھوں نے

اپنے نبی کو چھوڑ کر بُری باتوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے ناراض ہو کر ان کی ساری شان و شوکت ختم کر دی۔

مدینہ میں جو یہودی آباد تھے، وہ بھی اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات چھوڑ چکے تھے اور بُرے کاموں پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔

''اس کے بعد بھی مدینہ میں تجارتی اور مالی لحاظ سے یہودیوں کو برتری حاصل تھی۔ یہ تو حیرت کی بات ہے۔'' تا کو نے کہا۔

''اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ وہ نافرمانی کرنے والوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ انھیں دنیا میں بظاہر کامیابیاں بھی حاصل ہوتی ہیں جن سے دوسرے لوگ متاثر اور مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لیکن دراصل یہ دوسرے لوگوں کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے راستے پر قائم رہتے ہیں یا نافرمانوں کی کامیابیوں کو دیکھ کر وہ بھی ان کے ساتھی بن جاتے ہیں۔'' عبداللہ نے بتایا۔

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدینہ آمد پر یہودیوں نے کیا ردعمل ظاہر کیا؟'' راکو نے پوچھا۔

''یہودی اگرچہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے تھے، لیکن اپنے نبی کی تعلیمات چھوڑ دینے کی وجہ سے ان کے اندر دنیا کی محبت اتنی زیادہ رچ بس چکی تھی کہ وہ اپنے علاوہ کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اس لیے انھوں نے مدینہ میں رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر قطعاً خوشی کا اظہار نہ کیا بلکہ اندر ہی اندر ان کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گئے۔''

''اس صورت حال میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا ردعمل ظاہر کیا؟'' با کو نے دریافت کیا۔

''رحمت دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے بُرے ارادوں کو بھانپ لیا

تھا لیکن آپ نہیں چاہتے تھے کہ مدینہ میں آتے ہی ان بُرے لوگوں سے الجھ کر اصل دعوت، یعنی اللہ کا پیغام عام کرنے سے آپ کی توجہ ہٹ جائے، اس لیے آپ نے اپنا مشن جاری رکھنے کے لیے مدینہ کے یہودی سرداروں کو اپنے پاس بلا کر ایک معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کو میثاقِ مدینہ کہا جاتا ہے۔'' عبداللہ نے بتایا۔

''میثاقِ مدینہ میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کن باتوں پر اتفاق ہوا؟'' ساگو نے پوچھا۔

''اس معاہدے میں طے ہوا کہ مسلمان اور یہودی اپنے اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کریں گے اور مذہب کے علاوہ دوسری باتوں میں دونوں ایک جماعت سمجھے جائیں گے۔ اگر ایک مسلمان صلح کر لے تو وہ سب مسلمانوں کی طرف سے صلح سمجھی جائے گی۔ اگر کسی دشمن سے مسلمان کی لڑائی ہوگی تو یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور ان کے دشمن سے لڑیں گے۔ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو مسلمان اور یہودی مل کر اس کا مقابلہ کریں گے اور اگر صلح ہو جائے تو دونوں کی طرف سے صلح سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ اگر مسلمان اور یہودیوں میں کسی بات پر جھگڑا ہوگا تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔'' عبداللہ نے بتایا۔

''یہودیوں کے ساتھ اس معاہدے کے بعد تو چاروں جانب امن وسکون ہو گیا ہوگا۔'' تاکو نے خیال ظاہر کیا۔

''نہیں! ایسی بات نہیں۔ یہودیوں کی ہزارہا سال کی تاریخ گواہ ہے کہ انھوں نے تو اپنے نجات دہندہ اللہ کے نبیوں سے بھی وفا نہیں کی تھی۔ وہ تو اپنے معمولی فائدے کی خاطر انھیں قتل تک کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ وقتی طور پر تو سکون ہو گیا لیکن وہ موقع کی تلاش میں تھے کیونکہ مکہ سے مدینہ آنے والے مسلمانوں کی وجہ سے یہودیوں کی تجارت اور سودی کاروبار کو نقصان پہنچا تھا۔ مکہ سے آنے والے

مسلمانوں میں تاجر بھی تھے، اس لیے مدینہ میں ان کی کاروباری اجارہ داری بھی ختم ہوگئی تھی۔ اس لیے انھیں مسلمانوں پر سخت غصہ تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہودیوں کا ایک سردار حُیی بن اخطب اور اس کا بھائی ابویاسر ایک دن رحمت دو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں سارا دن بیٹھے رہے۔ جب وہ شام کو واپس گھر پہنچے تو اس سردار کے بھائی نے پوچھا کہ تمھارا اس نبی کے متعلق کیا خیال ہے؟ حیی بن اخطب نے جواب دیا: ''جب تک میری زندگی ہے میں ہر حال میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دشمنی رکھوں گا۔'' عبداللہ نے بتایا۔

''یہودیوں کا یہ رویہ تو بہت بُرا تھا۔'' تا کو نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

''یہودیوں کی شاید فطرت ہی ایسی ہے کہ جو انھیں امن مہیا کرتا ہے، اسے بھی سانپ کی طرح ڈسنے سے باز نہیں آتے۔ رحمت دو جہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاقِ مدینہ کے ذریعے سے انھیں امن وسکون کی کھلی ضمانت دے دی تھی۔ لیکن وہ مسلمانوں کو ہر موقع پر نقصان پہنچانے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ مدینہ کے دو قبائل اوس اور خزرج کے جن لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، ایک یہودی شاعر نے دونوں قبائل کے لوگوں کی موجودگی میں ماضی کی باہمی جنگوں کے حوالے سے اشعار پڑھے تو دونوں قبائل کے لوگ ماضی کی تلخ باتیں یاد کر کے ایک دوسرے سے لڑنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ جب رحمت دو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کی اس مکارانہ سازش کا پتا چلا تو آپ فوراً وہاں تشریف لے گئے اور دونوں قبائل کے لوگوں کو یہودی سازش سے آگاہ کیا اور دونوں قبائل ایک بار پھر شیر وشکر ہو گئے۔

یہودیوں کی بات چلی ہے تو یہ بھی بتادوں کہ مکہ کے مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو مدینہ کے انصار اپنے مہاجر بھائیوں کی دل و جان سے خدمت کرنے

لگے۔ یہ دیکھ کر یہودی بڑی مکاری سے انصارِ مدینہ سے کہتے کہ تم اپنے بال بچوں کا بھی خیال کرو۔ اپنا تمام مال اسباب مکہ کے ان مہاجرین پر خرچ کر دو گے تو تم غریب اور مفلس ہو جاؤ گے۔'' عبداللہ نے بتایا۔

''توبہ...... توبہ! یہودی تو واقعی بہت بُری قوم ہے۔ خدا اس قوم سے سب کو بچائے۔'' را کو کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''یہودیوں کے اشتعال دلانے پر مکہ کے سرداروں نے کب مدینہ پر حملہ کیا اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ اس کے متعلق بات کل ہوگی۔'' عبداللہ نے یہ کہا اور اپنی جھونپڑی کی جانب چل دیا۔

(باقی آئندہ)
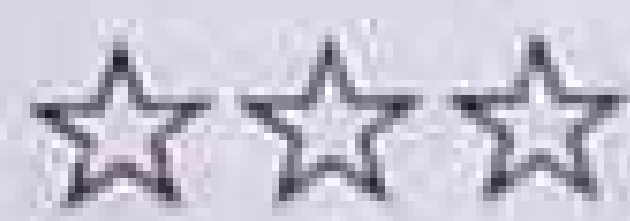
☆☆☆

عمران عاکف خاں

بہادر شہزادہ

ایک ملک تھا بہت ہی ہرا بھرا، پُر امن، ہریالیاں اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور اندرونِ ملک شہد اور دودھ کی نہریں بہتی تھیں۔ اس ملک کا بادشاہ زر بخت بہت ہی نیک اور عادل تھا۔ اس کے ملک میں کسی کو کوئی تکلیف اور رنج نہیں تھا، ہر آدمی خوش تھا اور تمام گھروں میں مسرت کے چراغ روشن تھے۔ اس ملک میں یوں تو سب کچھ تھا مگر ایک چیز نہیں تھی۔ بتاؤ بچو! وہ کیا ہوسکتی ہے؟ ارے وہ یہ ہے کہ اس عادل بادشاہ کی گود اولاد سے خالی تھی۔ یعنی اس کے گھر مسرت کا چراغ گل تھا جسے روشن کرنے کے لیے بادشاہ نے بہت سے جتن کیے مگر ناکام ہی رہا۔ اور ہر وقت خدا تعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ ''اے پروردگار! مجھے اکیلا مت چھوڑ۔ پالنہار! مجھے اچھا وارث عطا کردے۔'' اور پھر ایک دن اس کی یہ آہ وزاری کام آگئی اور اس کی مراد پوری ہوگئی۔ خدا نے اسے ایک انتہائی خوبصورت لڑکا عطا کردیا۔ پھر تو سارے ملک میں چراغاں کیا گیا، غریبوں محتاجوں اور ضرورت مندوں کی جھولیاں بھردی گئیں اور اس سال کھیتوں، باغوں اور کاروبار پر لگنے والا لگان معاف کردیا۔

بادشاہ نے اس نومولود کا نام ارمان بخت رکھا اور اس کی تعلیم وتربیت کے لیے اس زمانے کے ماہر فن اور نکتہ داں اتالیق مقرر کیے، جو اس کو مذہبی وسیاسی تعلیم کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری اور بہادری کے کرتب بھی سکھائے۔ اور شہزادہ ارمان بخت حیرت

۲۵، ۲۸ ڈیگ گیٹ، گلپاڑہ، بھرت پور، راجستھان

انگیز طور پر ان فنون میں ماہر ہو گیا۔ بڑے بڑے پہلوانوں کو ایک ہی مرحلے میں زیر کر لیتا تھا اور علم و دانش میں تو اس کا مقابل کوئی نہیں تھا۔

ایک دن ایک خستہ حال بڑھیا بادشاہ کے باب العدل یعنی انصاف کے دروازے میں آئی اور فریاد کی اے عادل بادشاہ! میرے اکلوتے بیٹے کو ایک بھیڑیا اٹھا کر لے گیا۔ ہائے میں کیا کروں؟ وہی تو میرا ایک سہارا تھا اور وہی مجھ سے چھن گیا۔ اور پھر بڑھیا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بادشاہ نے اسے ہمت دلائی کہ وہ اس کے لیے انتہائی کوشش کرے گا اور اس کے لڑکے کو آزاد کرائے گا۔ اتفاق سے ارمان بخت بھی وہاں آ گیا اور اس نے اس بڑھیا کی بپتا سنی اور اس کی مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ بادشاہ اسے منع کرنا چاہا کہ "دربار کے بہت سے پہلوان اس کام کو کر لیں گے۔ میرے نورِ نظر! تم اس جوکھم میں مت پڑو۔" بادشاہ کا یہ خیال سن کر ارمان بخت بول اٹھا کہ: "جناب جس طرح میں آپ کا نورِ نظر ہوں، اسی طرح وہ لڑکا بھی اس بڑھیا کا نورِ نظر ہے اور جس طرح آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں، یہ بڑھیا بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ لہٰذا مجھے اس مہم سے مت روکیے اور بہادری کے جوہر دکھانے دیجیے۔" پھر ارمان بخت کی ضد کے آگے بادشاہ کی ایک نہ چلی اور اس کو ارمان بخت کے عزم کے سامنے جھکنا ہی پڑا۔

شہزادہ اس خستہ حال بڑھیا کے ساتھ چل پڑا، اور اس کی بتائی ہوئی جگہ کہ اس کے لڑکے کو بھیڑیا ادھر لے گیا، روانہ ہو گیا، اس کے ساتھ صرف اس کی تلوار تھی اور اس کے حوصلے اور شجاعت۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ کچھ نہیں تھا۔ نہ فوجی اہل کار، نہ درباری، اور نہ ہی کوئی اور۔ وہ بڑھیا سے رخصت لے کر اکیلا ہی ان خوف ناک جنگلوں کی طرف چل پڑا جو بڑھیا نے بتائے تھے۔

ابھی شہزادہ ارمان جنگل میں کچھ ہی دور چلا تھا کہ اسے اپنے بائیں جانب سے کچھ سرسراہٹ سی سنائی دی اور پھر اچانک اس کے سامنے شیر آ گیا اور فوراً ہی حملہ آور

ہو گیا۔ شہزادہ نے جھکائی دے کر اس کا وار خالی کر دیا اور دوسرے ہی لمحے آدم خور شیر دو ٹکڑے میں بٹ کر زمین پر تڑپ رہا تھا۔ شہزادہ اس کی پروا کیے بنا آگے بڑھ گیا اور بڑھیا کے لڑکے کو آوازیں دینے لگا۔ ''انصار تم کہاں ہو! میں تمھاری مدد کے لیے آیا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم کہاں ہو! شہزادہ ابھی آوازیں ہی دے رہا تھا کہ ایک آدم خور بھیڑیا اس کے سامنے آ گیا جس کے منہ سے خون ٹپک رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر شہزادا ایک انجانے خوف سے لرز گیا کہ کہیں انصار اس آدم خور کا لقمہ تو نہیں بن گیا۔'' اور پھر اس نے ایک چیخ سنی ''ہائے کوئی مجھے بچاؤ! میری ماں میرے لیے رو رہی ہوگی۔ میں اس کا اکلوتا بیٹا تھا ہائے کوئی مجھ پر رحم کرے۔ ہائے کوئی مجھ پر رحم کرے، میری مدد کرے۔ مجھے ان آدم خوروں سے بچائے۔'' انصار چیخے جا رہا تھا اور شہزادہ اس خونخوار بھیڑیا کا کام تمام کر کے اس آواز کی طرف بڑھ رہا تھا جواب بھی آ رہی تھی مگر نقاہت اور کمزوری اس پر حاوی ہو چکی تھی۔

''انصار میں آ رہا ہوں، حوصلے سے کام لینا، دیکھو ہمت نہیں ہارنا، میں آ رہا ہوں۔'' شہزادہ دوڑ پڑا پھر اس نے ایک دردناک منظر دیکھا کہ انصار کئی جگہ سے زخمی ہو کر بیہوش ہو چکا ہے۔ شہزادے نے اسے جلدی سے اپنے کاندھے پر لادا اور شہر کی طرف دوڑنے لگا۔ راستے میں سارے لوگ اس منظر کو دیکھ کر اکٹھا ہو گئے اور شہزادہ ان کی پروا کیے بنا معالج کے پاس دوڑتا چلا گیا۔ اس طرح سے وہ جلد ہی معالج کے مکان پر پہنچ گیا اور انصار کا علاج کرانے لگا۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ انصار کے مکمل علاج ہونے تک وہیں مقیم رہے گا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انصار کے زخم زیادہ گہرے نہیں تھے سو وہ جلد ہی ہوش میں آ گیا اور جلد ہی معالج نے اسے مرہم پٹی کر کے چھٹی دے دی۔

شہزادہ ارمان بخت اور انصار دونوں مل کر اس کے گھر گئے، جہاں خستہ حال بڑھیا بین کر رہی تھی ''ہائے میرا بیٹا! ہائے میرا لال، ہائے اسے بھیڑیا کہاں لے گیا،

پتا نہیں وہ اب واپس آئے گا یا نہیں، ہائے میرا سہارا چھن گیا، ہائے میرے اوپر یہ کیا افتاد پڑی۔'' ابھی بڑھیا رونا دھونا کر ہی رہی تھی کہ اچانک شہزادہ اور انصار اس کے سامنے آگئے اور بڑھیا حیرت زدہ رہ کر انھیں دیکھنے لگی ''میرے بیٹے تو آگیا! میرے نورِ نظر، تو کہاں چلا گیا تھا، میں تو تیرے لیے بیتاب ہوگئی تھی۔'' اچانک انصار بول پڑا: ''ماں یہ رونا دھونا بند کرو! دیکھو، ہمارے منصف شہزادے میرے ساتھ ہیں، ان کی آؤ بھگت کرو— انھوں نے تو مجھے بچایا ہے اور میری مدد کی ہے۔'' اور پھر بڑھیا نے اٹھ کر شہزادہ ارمان بخت کو گلے سے لگا لیا اور اسے دعائیں دینے لگی۔

پیارے پیامیو! آؤ آج سے ہم بھی عہد کریں کہ اسی طرح مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کر کے ان سے دعائیں حاصل کریں گے، اور اس طرح انسانیت کی خدمت کر کے نیک نامی حاصل کریں گے۔ ☆☆☆

سید عرفان احمد

گھڑیاں آگے کر لیجیے

آپ اکثر سوچتے ہوں گے کہ نیا سال کیسے آجاتا ہے؟ ہوسکتا ہے آپ نے اس بات پر بھی غور کیا ہو کہ آخر ہر سال ۳۱ دسمبر ہی کو ختم کیوں ہوتا ہے اور یکم جنوری سے کیوں شروع ہوتا ہے؟ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ کائنات میں موجود ہر شے حرکت میں ہے۔ چاند، سورج، ستارے اور سیارے، سب کے سب گردش کر رہے ہیں۔ ہماری زمین ایک سیارہ ہے اور یہ بھی حرکت کر رہی ہے۔ زمین پر دن رات کا آنا اور ایک سال کے بعد دوسرے سال کا آنا، یہ سب اسی گردش کی مرہون منت ہے۔

زمین دو طرح سے حرکت کرتی ہے۔ ایک تو یہ سورج کے گرد، ایک دائرے میں چکر لگا رہی ہے اور دوسرے یہ اپنے ہی گرد گھوم رہی ہے۔ جس طرح اگر کوئی باؤلر کسی بیٹس مین کو ''اسپین بال'' کرائے تو گیند ایک تو باؤلر سے کھلاڑی کی طرف حرکت کرتی ہے اور دوسرے مسلسل گھومتی بھی رہتی ہے۔ اس دوسری حرکت کی وجہ سے گیند زمین پر ٹپا کھا کر تھوڑی سی مڑ جاتی ہے اور بیٹس مین کو اسے کھیلنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ زمین کی کچھ اسی طرح کی حرکت ہوتی ہے۔

زمین سورج کے گرد ایک خاص راستے پر تقریباً سوا تین سو پینسٹھ (365 ¼) دن میں ایک چکر مکمل کرتی ہے۔ اس خاص راستے کو ''محور'' کہتے ہیں اور زمین کی اس حرکت کو ''محوری گردش'' کہا جاتا ہے۔ زمین سورج سے ۹ کروڑ تیس لاکھ (9,30,00,000) میل دور ہے۔ اپنی محوری گردش کے دوران یہ ۱۹ میل فی سیکنڈ کی رفتار سے انیس کروڑ ستر

لاکھ (19,70,00,000) مربع میل کا فاصلہ طے کرتی ہے۔

زمین کی اس محوری گردش ہی کی وجہ سے ایک سال ختم ہونے پر دوسرا سال آتا ہے۔ عموماً ہم ۳۶۵ دن کا ایک سال شمار کرتے ہیں۔ لیکن ایک سال ۳۶۵ دن، ۵ گھنٹے، ۴۸ منٹ اور ۴۶ سیکنڈ کا ہوتا ہے۔

زمین کی دوسری یعنی اپنے ہی گرد گردش کی وجہ سے دن رات میں بدلتا ہے اور راتیں دن میں بدلتی ہیں۔ چونکہ یہ چکر تقریباً ۲۴ گھنٹے میں پورا ہوتا ہے اس لیے ۲۴ گھنٹے میں ایک بار رات اور ایک بار دن آتا ہے۔ ان ۲۴ گھنٹوں کے دوران زمین کا جو حصہ سورج کے سامنے آجاتا ہے اس حصے میں 'دن' ہو جاتا ہے اور زمین کا جو حصہ سورج کی دوسری جانب ہوتا ہے اس حصے میں اندھیرا رہتا ہے جسے ہم 'رات' کہتے ہیں۔

گھڑیاں آگے کرلیجیے

کچھ عرصہ پہلے کچھ ملکوں کی حکومت نے فیصلہ کیا تھا کہ سردیوں میں گھڑیوں کو ایک گھنٹہ آگے کرلیا جائے۔ چونکہ سردیوں میں دن چھوٹے اور راتیں لمبی ہو جاتی ہیں۔ اس طرح دن کی روشنی میں کام کرنے کا وقت بھی گھٹ جاتا ہے۔ چنانچہ دن کا آغاز جلد کرنے سے اس مشکل پر کسی قدر قابو بھی پایا جاسکتا ہے۔ لیکن حکومت نے غور کرنے کے بعد اپنے فیصلے کو بدل دیا اور ہماری گھڑیوں کی سوئیوں کو آگے بڑھنے میں تکلیف نہیں دی گئی۔

زیادہ وقت دن کی روشنی میں کام کرنے کے لیے وقت کو ایک گھنٹہ آگے بڑھانے کا نظریہ سب سے پہلے ولیم ویلٹ (1857-1915) نے پیش کیا۔ یہ نظریہ ''سمر ٹائم'' کہلاتا ہے۔ ۱۹۱۶ء میں اس نظریے کی افادیت کو تسلیم کرتے ہوئے کئی ملکوں میں سمر ایکٹ نافذ کیا گیا۔ اس قانون کے مطابق اکتوبر سے مئی تک وقت کو ایک گھنٹہ بڑھانا لازمی کردیا گیا۔ ۱۹۴۱ء میں ڈبل سمر ٹائم کا خیال پیش کیا گیا، جس کے مطابق وقت کو ایک گھنٹے کے بجائے دو گھنٹے بڑھانے پر اصرار کیا گیا تھا۔ (☆)

اشتیاق احمد آخری قسط

بے داغ منصوبہ

اس رات غلام محمد کے لیے بہت پُر تکلف کھانا تیار کرایا گیا۔ اس کے لیے تو یہاں کا عام کھانا بھی بہت پُر تکلف تھا۔ رات کو تو پھر حد ہوگئی۔ اسے مجبوراً تمام چیزیں کھانا پڑیں۔ یہاں تک کہ مزید کوئی چیز کھانے کی گنجایش نہ رہی۔ اس نے اس قدر ڈٹ کر زندگی میں کبھی نہیں کھایا تھا۔ وہ تو بھوک رکھ کر کھانے کا عادی تھا۔ بچپن میں ہی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سن لی تھی کہ کھانا بھوک رکھ کر کھاؤ۔ لیکن آج وہ اس اصول کو بہت پیچھے چھوڑ گیا تھا۔ کچھ دیر اور گپ شپ جاری رہی۔ پھر سونے کے لیے اسے ڈرائنگ روم کے ساتھ والا کمرہ دیا گیا۔ ڈرائنگ روم کے دوسری طرف والا کمرہ سیٹھ آثم جلالی اور ان کی بیگم کا تھا اور اسی طرح اس کے بعد والے تین کمرے بچوں کے تھے۔ دو پہرے داروں کے لیے گیٹ کے ساتھ ہی کمرہ تھا۔

سب لوگ سونے کے لیے اٹھ گئے تھے، لیکن غلام محمد کی آنکھوں سے نیند بہت دور تھی۔ اس کے پیٹ میں عجیب و غریب سی گڑگڑ ہو رہی تھی۔ بدذائقہ ڈکاریں آرہی تھیں۔ ہر ڈکار پر اس کا منہ بُرا بن جاتا اور اس پر جھنجلاہٹ طاری ہو جاتی۔ وہ سوچ رہا تھا، آج یہ اس سے کیا غلطی ہوگئی، کیوں وہ اتنا کھا گیا، لیکن اس میں اس کا قصور نہیں تھا۔ قصور تو سیٹھ صاحب اور ان کے گھر والوں کا بھی نہیں تھا۔ بس ایسا سب کچھ محبت میں ہوا تھا۔ رات گئے تک وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ اچانک اس کے کانوں میں ایک عجیب سی آواز آئی، جیسے کوئی دھم سے گرا ہو۔ اس کے کان بہت تیز تھے۔ لہٰذا یہ آواز اس کے

کانوں کا دھوکا نہیں ہوسکتی تھی۔ اس نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں اور بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

....

''یہ کیا بھئی، ایک بج گیا اور لائٹ نہیں گئی۔ یہ لوڈ شیڈنگ والے آج کہیں بھول تو نہیں گئے، بے وقوف کہیں کے۔'' جیری نے منہ بنا کر کہا۔

''کوئی بات نہیں، چند منٹ انتظار کر لیتے ہیں۔ ہو جائے گی لائٹ آف۔'' رابرٹ نے کہا۔

''لیکن اس طرح تو پورا پروگرام متاثر ہو سکتا ہے۔ وقت کا تو ہمیں خاص خیال رکھنا ہے۔''

''اب یہ مجبوری پیش آ گئی ہے نا۔'' ٹام نے کہا۔

''خیر۔'' جیری کندھے اُچکا کر رہ گیا۔

وہ اس وقت ایک کونے میں کھڑے تھے۔ یہ جگہ سیٹھ آثم جلالی کے گھر سے کچھ فاصلے پر تھی۔ لیکن یہاں سے کوٹھی کا گیٹ صاف نظر آ رہا تھا۔ دونوں پہرے دار چوکس کھڑے تھے۔ پھر تین منٹ اور گزر گئے، لیکن لائٹ نہ گئی۔ لوڈ شیڈنگ کا وقت تبدیل کر دیا گیا تھا۔

''اب ہم نہیں رک سکتے، ورنہ منصوبہ ناکام ہو جائے گا اور ایسا آج تک نہیں ہوا، لہٰذا ہمیں اب اپنا کام روشنی میں ہی کرنا ہوگا۔ شدید سردی ہے۔ دور دور تک کوئی نہیں ہے۔ لہٰذا ڈر کی کیا بات ہے۔ آؤ۔'' ٹام نے دبی آواز میں کہا۔

''اچھی بات ہے۔ منصوبے پر عمل تو کرنا ہوگا۔ ورنہ باس تو ہمیں جان سے مار دے گا۔ یوں بھی وہ ہمارے آس پاس کہیں موجود ہے۔'' جیری بڑبڑایا۔

پھر وہ آگے بڑھے۔ دیوار کے ساتھ لگے سرکتے رہے۔ یہاں تک کہ اتنے

فاصلے پر پہنچ گئے کہ پہرے داروں کو نشانہ بنا سکیں۔ ٹام نے تیر والا خول نکالا۔ اسے کھولا، اس میں سے تیر نکالا اور پستول میں لگا لیا۔

''تم دوسرا تیر نکال کر ہاتھ میں لے لو، تاکہ زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔''

''ٹھیک ہے۔'' جیری نے کہا اور خول کھول کر تیر نکال لیا۔

اب ٹام نے نشانہ لیا۔ تینوں نے دم سادھ لیے۔ پھر جیری نے ٹریگر دبا دیا۔ تیر ایک پہرے دار کے سینے میں جا کر لگا۔ اس کے منہ سے ایک ہلکی سی کراہ نکل گئی، پھر وہ تیورا کر گرا۔

''کیا ہوا؟'' دوسرے پہرے دار کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا اور پھر بے ساختہ اس پر جھک گیا۔ ادھر جیری نے پھر ٹریگر دبا دیا۔ یہ تیر دوسرے پہرے دار کی کمر میں لگا۔ اس کے منہ سے بھی کراہ نکل گئی۔ وہ بھی گرا اور ساکت ہو گیا۔

تینوں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ میدان صاف نظر آیا۔ وہ تیزی سے، لیکن آواز پیدا کیے بغیر لپکے، پہرے داروں کی جیبوں کو ٹٹولا۔ چابیاں مل گئیں۔ جلدی جلدی ان کو تالے کے سوراخ میں لگانے لگے۔ آخر ایک چابی لگ گئی۔ کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ اب تینوں نے مل کر پہلے ایک پہرے دار کو اندر گھسیٹا، پھر دوسرے کو اور گیٹ بند کر دیا۔ تینوں کا سانس قدرے پھول گیا تھا۔ جیری نے سرگوشی کی: ''پہلا مرحلہ طے ہو گیا۔''

ٹام اور رابرٹ نے سر ہلا دیا۔ ان کے قدم ڈرائنگ روم سے دائیں طرف اُٹھ گئے۔ انھیں معلوم تھا سیٹھ صاحب بالکل سامنے والے کمرے کے دوسری طرف والے کمرے میں سوتے ہیں اور ان سے اگلے تین کمرے بچوں کے تھے۔

وہ سیٹھ آثم جلالی کے کمرے کے دروازے پر جٹ گئے۔ صرف تیس سیکنڈ بعد وہ تالا کھول چکے تھے۔ انھوں نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے۔

کمرے میں سیٹھ آثم جلالی اور ان کی بیگم گہری نیند میں نظر آئے۔ ٹام نے اندرونی جیب میں سے ایک رومال نکالا۔ اس پر بے ہوشی کی دوا لگی تھی۔ وہ دونوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ آتش دان پر رکھے بھالو نے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ آواز اس قدر تیز تھی کہ وہ بری طرح اچھل پڑے۔ ساتھ ہی سیٹھ صاحب اور ان کی بیگم بوکھلا کر بستر سے اٹھ بیٹھے اور ادھر ان تینوں کے ہاتھوں میں پستول نظر آئے۔

"خبردار! حرکت نہ کرنا۔" جیری غرایا۔

سیٹھ آثم جلالی اور ان کی بیگم ساکت رہ گئے۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ شاید انھیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ سیٹھ آثم جلالی بس اتنا کہہ سکے: "کک...... کیا مطلب؟"

"بس خاموش رہیں۔ رابرٹ! برابر والے کمروں سے ان کے تینوں بچوں کو بھی یہیں لے آؤ۔ تاکہ ہم بے فکری سے اپنا کام کر سکیں۔ ویسے سیٹھ صاحب! یہ بھالو کیا بلا ہے۔ یہ کیسے بجنے لگا تھا؟"

"کوئی اس کے پاس سے گزرتا ہے تو یہ تالی بجانے لگتا ہے۔ آج کے دور میں ایسے دروازے موجود ہیں جو کسی انسان کے قریب آنے پر خود بخود کھل جاتے ہیں۔ یہ اسی قسم کا بھالو ہے۔"

"اوہ!"

"بس یہ بھالو ایسا ہی ہے۔ لیکن میں نے یہ اس نیت سے نہیں خریدا تھا کہ یہ ہمیں چوروں کی آمد پر خبردار کر دے گا۔ یہ تو بس یوں سمجھ لو کہ اللہ کی مہربانی سے ایسا ہو گیا، یا پھر اللہ نے اسی دن کے لیے خریدنے کا خیال میرے دل میں ڈالا ہو گا۔ انسان کو پتا نہیں ہوتا، لیکن قدرت اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے کہ ایک انسان کے پیدا ہوتے ہی اس کے لیے وہ سامان تیار ہونا شروع ہو جاتا ہے یا اس کے سامان

بنتے چلے جاتے ہیں، جس کی اسے زندگی میں ضرورت پڑتی ہے۔''

''اتنا لمبا جواب دینے کے لیے کس نے کہا تھا آپ سے۔'' ٹام نے منہ بنایا۔

''اوہ مجھے افسوس ہے۔ میں بھول گیا تھا کہ ہم اس وقت ڈاکوؤں کے درمیان ہیں۔''

اسی وقت رابرٹ پستول ہاتھ میں لیے کمرے سے نکل گیا۔ کوئی پانچ منٹ بعد وہ واپس آیا تو تینوں بچے اس کے ساتھ تھے۔ ان کے چہرے دھواں دھواں ہو رہے تھے۔

''ڈرنے کی ضرورت نہیں بچو! یہ ڈاکو ہیں۔ مال اور دولت چرا لے جائیں گے اور بس، اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنا کچھ دیا ہے، لہٰذا فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''عقل مند ہو سیٹھ۔'' رابرٹ ہنسا۔

''ہمارے پروگرام میں قدرے گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ہمیں تو انھیں سوتے میں لوٹنا تھا، لیکن یہ جاگ گئے۔ خیر، سیٹھ صاحب! آپ ایسا کریں، تجوری خود کھول دیں۔ اگر تجوری کھولتے وقت آپ نے کوئی چالاکی دکھائی تو آپ میں سے کوئی زندہ سلامت نہیں بچے گا۔ مال و دولت کی خاطر آپ کیوں جانیں دیں گے بھلا!''

''ٹھیک ہے! میں تجوری کھول دیتا ہوں۔''

انھوں نے میز کی دراز میں سے چابیاں نکالیں اور تجوری کھول دی۔

''اس کے خفیہ خانے بھی کھول دیں اور یاد رکھیے! اگر کوئی خفیہ الارم کسی دوسری جگہ مثلاً پولیس اسٹیشن وغیرہ میں بجا اور وہاں سے پولیس نے ادھر کا رُخ کیا تو آپ لوگ ہمارے ہاتھوں مارے جائیں گے، خیال رہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ مال و دولت کی خاطر میں اپنے اور اپنے بال بچوں کی زندگیوں کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔ لہٰذا خفیہ خانے بھی کھول

رہا ہوں۔"

"بہت خوب! جیری اور رابرٹ! تم مال تھیلوں میں بھر لو۔ میں ان کا دھیان رکھوں گا۔" ٹام نے ان سے کہا۔

انھوں نے نہایت تیزی سے مال سمیٹنا شروع کر دیا۔ ثاقب پستول تانے کھڑا رہا۔ سیٹھ آثم جلالی کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے، کیونکہ ان کی زندگیوں کو کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ صرف دولت ہاتھ سے جا رہی تھی۔

انھوں نے تجوری خالی کرنے میں صرف دس منٹ لگائے، پھر وہ ان کی طرف مڑے۔ اس وقت ٹام نے کہا: "معاف کیجیے گا سیٹھ صاحب! ہمارا اصول تو نہیں کہ ڈاکے کی واردات میں کسی کا خون بہائیں لیکن آج ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔" یہ کہتے ہوئے ٹام کا لہجہ سرد ہو گیا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"ہمارا جو پروگرام تھا، معاملہ اس کے مطابق نہیں نمٹا۔ آپ لوگ سوئے رہتے تو ہم بھی مال سمیٹ کر چپ چاپ چلے جاتے۔ لیکن اس بھالو نے کام خراب کر دیا۔ نہ یہ تالی بجاتا، نہ آپ جاگتے۔ اب آپ نے ہمیں دیکھ لیا ہے، لہٰذا ہم آپ کو زندہ نہیں چھوڑ سکتے، کیونکہ پولیس آپ سے ہمارے حلیے پوچھے گی تو آپ فوراً بتا دیں گے۔ پھر پولیس ہمارے حلیے اخبارات میں دے گی۔ اس طرح ہماری گرفتاری عمل میں آسکتی ہے، اس لیے......" یہ کہتے ہوئے اس کا پستول ان چاروں کی طرف تن گیا۔

"نن نہیں...... یہ ظلم نہ کرو۔ میری بات سنو۔ ہم تمھارے حلیے کسی کو نہیں بتائیں گے۔ حلیے بتانے کی ضرورت تو تب پیش آئے گی نا جب ہم چوری کی رپورٹ درج کرائیں گے۔ ہم رپورٹ درج نہیں کرائیں گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔" سیٹھ آثم جلالی نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

”نہیں سیٹھ صاحب! یہ اِس وقت کی باتیں ہیں۔ جب ہم چلے جائیں گے اُس وقت آپ کے خیالات اور ہوں گے۔ ہم یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے۔“

اس کا ہاتھ اور تن گیا۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے۔ ”خدا حافظ سیٹھ صاحب! اللہ آپ کی اور آپ کے بچوں کی آخرت اچھی کرے۔“

”نن...... نہیں ...... نہیں ...... رک جاؤ۔ ٹھہرو! میری بات سن لو۔ تمھارے فائدے کی بات......!“

عین اسی وقت ٹام کے سر پر کوئی چیز زور سے لگی۔ اس کے ساتھ ہی جیری اور رابرٹ اچھل کر ادھر ادھر ہو گئے اور کمرے میں داخل ہو کر ٹام کے سر پر وار کرنے والے پر ٹوٹ پڑے۔

اب انھوں نے دیکھا، کھلے دروازے سے دبے پاؤں اندر داخل ہونے والا ان کا دیہاتی مہمان غلام محمد تھا۔ اس نے کرکٹ کے بیٹ سے ٹام کے سر پر وار کیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ جیری اور رابرٹ پر بیٹ برسا سکتا، وہ دونوں خطرے کو بھانپ کر پہلے ہی اس سے ٹکرا گئے تھے اور جونہی وہ اس سے ٹکرائے، بیٹ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ٹام کے سر پر چوٹ گہری آئی تھی۔ اس کے سر سے خون نکلتا نظر آ رہا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے اکڑوں بیٹھا تھا۔ پستول چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا، لیکن اس کے نزدیک ہی پڑا تھا۔

ادھر وہ دونوں غلام محمد پر قابو پانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔ وہ تھا دیہات کا پلا ہوا، مضبوط ہاتھ پیر کا مالک۔ وہ ان دونوں کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ اُلٹا ان دونوں کو قابو میں کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ ایسے میں جیری چلّایا: ”ٹام! ہمت کرو۔ یہ بیٹ اُٹھا کر اس دیہاتی کے سر پر دے مارو۔ یہ ہمارے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔“

یہ جملے ٹام کی سماعت سے ٹکرائے۔ اس نے سر کو دو تین جھٹکے دیے، تھر تھر کانپتا ہاتھ پستول کی طرف بڑھایا۔ عین اس وقت سیٹھ آثم جلالی کو جیسے بجلی کا جھٹکا لگا۔ ان کا سوتا ہوا ذہن جاگ اٹھا۔ وہ بلا کی تیزی سے جھپٹ پڑے اور پستول اٹھالیا۔

غلام محمد چلّایا: ''سیٹھ صاحب! پستول اس زخمی کے سر پر ماریں تاکہ یہ مکمل بے ہوش ہو جائے۔''

''نن نہیں...... مم...... میں...... میں نے ایسا کام کبھی نہیں کیا۔''

غلام محمد نے چیخ کر کہا: ''سیٹھ صاحب! یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اگر انھوں نے ہم پر قابو پالیا تو ہم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچے گا۔''

''تت...... تو کیا...... میں''

''ہاں ہاں...... دے ماریں پستول۔ یہ قاتل ہیں، ڈاکو ہیں۔ ان پر رحم کیا کرنا۔''

اور پھر سیٹھ آثم جلالی نے پستول کی نال پکڑلی۔ ہاتھ سر کے اوپر اٹھایا اور ٹام کے سر پر پستول کا دستہ دے مارا۔ دستہ اس کے زخم پر لگا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

''ایک وار اور۔'' غلام محمد چلّایا۔

''کک...... کیا یہ کافی نہیں؟''

''نہیں، ایک اور۔''

انھوں نے ایک وار اور کیا اور ٹام لمبا لیٹ گیا۔

''اب یہ بیٹ اٹھالیں اور ان کے سروں پر بجادیں، لیکن خیال رہے، کہیں میرے سر پر نہ مار دیجیے گا۔'' غلام محمد مشکل سے بولا۔

اسے ان دونوں کے خلاف زبردست جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔ اس وقت ان دونوں کی گردنیں اس نے اپنے دونوں بازوؤں میں جکڑ رکھی تھیں، جبکہ وہ دونوں اس

پر مکّے برسا رہے تھے۔ یہ مکّے اس کی کمر اور پیٹ میں لگ رہے تھے اور ہر بار اس کے منہ سے تکلیف دہ آوازیں نکل رہی تھیں۔

سیٹھ صاحب نے بیٹ اٹھالیا اور اسے سر سے بلند کر کے ناپ تول کر ان میں سے ایک کے سر پر دے مارا۔ بیٹ ٹھیک سر پر لگا۔

''ایک اور۔'' غلام محمد چلّایا۔

انھوں نے ایک بیٹ اور دے مارا۔ پھر دوسرے کی طرف مُڑے۔ اس کے سر پر بھی دو بار بیٹ بجادیے۔ ان کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ غلام محمد کو مسلسل لگنے والے مکّے رُک گئے۔

''اللہ کا شکر ہے ان مکّوں سے تو نجات ملی۔ ویسے سیٹھ صاحب! احتیاط اس میں ہے کہ ایک ایک بیٹ اور دے ماریں۔''

''دیکھ لو غلام محمد! کہیں یہ مر ہی نہ جائیں۔ زخمی تو یہ کافی ہو چکے ہیں۔''

''بے فکری ہو جائے گی سیٹھ صاحب! ابھی ہمیں پولیس کا انتظار بھی تو کرنا پڑے گا۔ وہ کون سا فون کرتے ہی آجائے گی۔''

''میں فون کر چکی ہوں۔'' بیگم صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

''پھر بھی، جلد نہیں آجائے گی۔''

''اچھی بات ہے۔''

اور پھر سیٹھ صاحب نے ایک ایک بیٹ ان کے اور رسید کر دیا۔ غلام محمد نے ان دونوں کو چھوڑ دیا۔ وہ درخت کٹے ہوئے تنوں کی طرح فرش پر آرہے۔

''اُف مالک! یہ سب کیا تھا؟ یوں لگ رہا تھا جیسے ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہوں۔'' بیگم جلالی بڑبڑائیں۔

''اور غلام محمد! آپ کیسے جاگ گئے؟''

''میں سویا ہی کب تھا۔ مجھے تو نیند آئی نہیں۔ پیٹ میں گڑبڑ تھی۔ جب انھوں نے پہرے داروں کو بے ہوش کیا اور وہ گر پڑے تو ان کے گرنے کی آواز میں نے سن لی تھی۔''

''اوہ! تو انھوں نے پہرے داروں کو بے ہوش کر دیا ہے۔''

''جی ہاں، ورنہ یہ اندر کیسے آسکتے تھے۔''

''اللہ نے اپنا کرم فرمایا۔''

''سچ بتاؤں سیٹھ صاحب......!''

''کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟''

''یہ جو آپ صدقہ خیرات دل کھول کر کرتے رہتے ہیں نا اور ہم جیسے غریبوں کی مدد کرتے رہتے ہیں نا، تو اللہ تعالیٰ بھی آپ کی مدد کرتا ہے۔ یہ اس وقت اللہ کی مدد نہیں تو اور کیا تھا۔ یہ اللہ ہی کا تو کام تھا کہ میں ضرورت سے زیادہ کھا گیا، پیٹ میں گڑبڑ کی وجہ سے......!''

''خبردار! تم سب ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ سب صدقہ خیرات ابھی نکل جائے گا۔'' انھوں نے ایک خوفناک آواز سنی۔

وہ بُری طرح اچھلے۔ ان کے رنگ اُڑ گئے۔ ایک لمبا چوڑا، خوفناک شکل وصورت والا آدمی ان پر کلاشن کوف تانے نظر آیا۔ وہ ساکت رہ گئے۔

....

''بب...... بب باس!'' ٹام کے منہ سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

اس کا مطلب ہے، وہ مکمل طور پر بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ باس کی آواز سن کر جیری اور رابرٹ کے جسموں میں بھی حرکت ہوئی۔

انھوں نے بہت مشکل سے کہا: ''بب...... باس! آپ...... آپ!''

''ہاں! یہ میں ہوں، لیکن مجھے افسوس ہے۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ پولیس کسی بھی لمحے یہاں آسکتی ہے اور تم لوگوں کی حالت اس قابل نہیں کہ میرے ساتھ فرار ہوسکو۔ اگر میں تمھیں گھسیٹ کر گاڑی تک لے جاؤں تو اس میں بہت دیر لگ جائے گی اور تمھارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔ لہٰذا دوستو! خدا حافظ۔ یہ میری تم سے آخری ملاقات ہے۔ میں تم سبھی کو ختم کر کے جا رہا ہوں۔ زندہ چھوڑ کر گیا تو پولیس تم لوگوں کے ذریعے مجھ تک پہنچ جائے گی۔ لہٰذا خدا حافظ۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے کلاشن کوف پوری طرح ان کی طرف تان دی۔

ان سب کے منہ سے خوف کے عالم میں نکلا: ''نن...... نہیں...... نہیں۔''

عین اسی لمحے باس اوندھے منہ گرا۔ اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکل گئی۔ کوئی بہت وزنی اور سخت چیز اس کی ریڑھ کی ہڈی پر لگی تھی۔

انھوں نے چونک کر دیکھا۔ کرنل صاحب ہاتھ میں لوہے کا وہ مگدر لیے کھڑے تھے، جس سے وہ ورزش کیا کرتے تھے۔

''اس دیہاتی نے ٹھیک کہا سیٹھ صاحب! یہ ساری برکت اس صدقے اور خیرات کی ہیں جو آپ کثرت سے کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ بلاؤں کو ٹالتا ہے اور یہ ڈاکو بھی آخر بلائیں تھیں۔''

''اور...... اور آپ کیسے پہنچ گئے؟'' سیٹھ صاحب مارے حیرت کے بولے۔

''مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے میں ٹہلنے کے لیے باہر نکلا تو آپ کے پہرے دار نظر نہ آئے اور یہ بات بہت حیرت کی تھی، کیونکہ ایسا تو آج تک نہیں ہوا تھا۔ میں جب بھی نکلتا تھا، وہ کھڑے نظر آتے تھے، بلکہ میں تو ان سے گپ شپ بھی لگاتا تھا۔ میں نے گیٹ کے پاس آکر دیکھا تو وہاں دو پلاسٹک کے خول پڑے نظر آئے۔ لائٹ تو آج گئی نہیں، اس لیے خول صاف نظر آئے۔ ان کو دیکھ کر مجھے

حیرت سی ہوئی۔ میں نے گیٹ کو دھکیلا تو اندر دونوں پہرے دار لمبے لیٹے نظر آئے۔ ساتھ ہی اندر سے کچھ آوازیں کانوں میں آئیں۔ میرے کان کھڑے ہوگئے۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا۔ یوں بھی آخر میں ایک فوجی ہوں۔ میں فوراً واپس پلٹا۔ میرے گھر کے گیٹ کے قریب ہی لان میں ویٹ لفٹنگ کا سامان رہتا ہے۔ بس میں نے جلدی میں یہ مگدر رکھ لیا اور اِدھر آ گیا۔ اس وقت یہ شخص کلاشن کوف تان چکا تھا۔ لیکن آپ پر فائر کس طرح کرسکتا تھا، آپ کی حفاظت تو اس کائنات کا مالک کر رہا تھا۔"

عین اسی وقت پولیس کے سائرن سنائی دینے لگے۔ جلد ہی پوری کوٹھی پولیس کے گھیرے میں نظر آئی۔ پولیس انسپکٹر اپنے چند ماتحتوں کے ساتھ اندر آ گیا۔

"یہ...... یہ لوگ تو معاشرے میں نامی گرامی نیک لوگ ہیں۔"

"تب پھر ان کا اصل روپ یہ ہے۔" کرنل بولے۔

ان چاروں کو گرفتار کرلیا گیا۔ پولیس اپنی کارروائی مکمل کرکے چاروں ڈاکوؤں کو لے کر چلی گئی۔

"کرنل صاحب! آپ کا یہ کارنامہ ہمیں ہمیشہ یاد رہے گا۔ ہم ہمیشہ آپ کے احسان مند رہیں گے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں سیٹھ صاحب! میں آپ کا پڑوسی ہوں اور پڑوسی کا تو بہت زیادہ حق ہے۔ میں نے بس ایک مگدر ہی تو مارا ہے۔" انھوں نے ایسے انداز میں کہا کہ سب ہنس پڑے۔

"اور غلام محمد! تم نے تو ہمیں خرید لیا۔ ہم تمام زندگی تمھارے احسان مند رہیں گے۔"

"ایسے بات نہ کریں سیٹھ صاحب۔ یہ سب کام تو بس اللہ میاں کے ہیں۔

انسان کو اس میں کیا کمال۔ وہ ذات مسبب الاسباب ہے، جسے بچانا چاہے، اسے کوئی مار نہیں سکتا اور جسے مارنا چاہے، اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔''

ان سب کے سر ہلنے لگے۔ وہ رات انھوں نے آنکھوں میں کاٹی۔ ان حالات میں نیند کہاں آتی ہے۔ دوسرے دن غلام محمد جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ اس وقت سیٹھ صاحب نے کہا: ''غلام محمد! ہم سب تمھیں تمھارے گھر تک چھوڑنے چل رہے ہیں۔ کرنل صاحب بھی ہمارے ساتھ چل رہے ہیں۔ اور غلام محمد! کل جب تم نے دفتر میں بات کی تھی، اس وقت میں نے تینوں بہنوں کے لیے پچاس پچاس ہزار روپے دینے کا ارادہ کرلیا تھا۔ لیکن اب مجھے یہ رقم اتنی چھوٹی لگ رہی ہے کہ کیا بتاؤں۔ اب میں تینوں بہنوں کے لیے دو دو لاکھ روپے دے رہا ہوں۔''

''نہیں سیٹھ صاحب! یہ نہیں ہوگا۔'' غلام محمد نے کہا۔

''کیا مطلب، کیا نہیں ہوگا؟''

''کل جو آپ نے سوچا تھا، بس وہی مناسب ہے۔ اس سے زیادہ ہرگز نہیں لوں گا۔''

''لیکن اب...... اس واقعے کے بعد یہ رقم کم لگ رہی ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔ بس ہمارے لیے یہ بہت ہے۔''

وہ برابر اصرار کرتے رہے، لیکن غلام محمد نہ مانا۔ آخر وہ مجبور ہو گئے۔

دوپہر کے بعد وہ غلام محمد کو لے کر اس کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت سیٹھ صاحب نے کہا: ''غلام محمد! تم ہمارے دلوں میں ہمیشہ موجود رہو گے اور ہم تمھاری بہنوں کی شادی میں بھی شرکت کریں گے۔''

''بلکہ سیٹھ صاحب! میں بھی آپ کے ساتھ آؤں گا۔'' کرنل صاحب بول اٹھے اور ان سب کے چہروں پر مسکراہٹیں ناچنے لگیں۔

☆☆☆

عبدالرزاق دل

بیٹی

بیٹی بچاؤ یارو!
کچھ کر دکھاؤ یارو!

بیٹی ہے دین رب کی
ہمدرد یہ ہے سب کی
رادھا ہو یا کہ رضیہ
سمجھیں سبھی کو عطیہ
بیٹی بچاؤ یارو!

بیٹی ہے گھر کی عزت
بیٹی سراپا الفت
رونق ہے باغ بن کی
زینت ہے یہ چمن کی
بیٹی بچاؤ یارو!

معصوم سی کلی یہ
سب کو لگے بھلی یہ
لختِ جگر کسی کی
اور ہمسفر کسی کی
بیٹی بچاؤ یارو!

اے بد نظر سنبھل تو!
نیت تری بدل تو!
اپنی ہوس کچل تو!
ورنہ جہاں سے ٹل تو!
بیٹی بچاؤ یارو!

اس دورِ پُر خطر سے
خطرے کی ہر ڈگر سے
بدخو سے بدنظر سے
ہر بوالہوس کے شر سے
بیٹی بچاؤ یارو!
کچھ کر دکھاؤ یارو!

کھولا پور، ضلع امراوتی، مہاراشٹر

نوٹ: اس کالم کے تحت آیندہ صرف وہی اشعار شائع کیے جائیں گے، جن کے نیچے شاعر کا نام درج ہوگا۔ (ادارہ)

پسندیدہ اشعار

دستِ محنت سے بنا تو بھی کوئی نقشِ عظیم
چشمِ حیرت سے کسی محل کی تعمیر نہ دیکھ
شاعر: علامہ اقبال
سیفی سبطین، کرامت منزل، آسنسول

.....

ربط کی بات اور ہے، ضبط کی بات اور ہے
یہ جو فشارِ خاک ہے، اس میں کبھی گلاب تھے

☆

رُو برو منظر نہ ہوں تو آئینے کس کام کے
ہم نہیں ہوں گے تو دنیا گردِ پارہ جائے گی
شاعر: امجد اسلام امجد
عمران، زیراکس تاج نگر۔۲، امراوتی

.....

غمزہ نگہ تغافل، انکھیاں سیاہ و چنچل
یارب نظر نہ لاگے، انداز ہے سراپا
شاعر: فائز دہلوی
ناہید عمر نسیم خان، پٹھان پورہ، مرتضٰی پور

.....

یہ قدم قدم بلائیں، یہ سوادِ کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری
شاعر: عامر عثمان
مشیرہ فردوس انعامدار، داردہ، ایوت محل، مہاراشٹر

.....

ٹوٹ جاتے ہیں کبھی الفاظ و معانی کے طلسم
بے زبانی میں عجب قوتِ گویائی ہے
شاعر: شاعر لکھنوی
محمد ذاکر لقمان قریشی، تونڈاپور، مہاراشٹر

.....

اے جان لب پہ آ کے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہ گئے چلنا ہوا چلے
شاعر: نواب مصطفٰی خان شیفتہ
آفرین فردوس، ظفر خان، پاتور

.....

مٹھیوں میں خاک لے کر دوست آئے وقتِ دفن
زندگی بھر کی محبت کا صلہ دینے لگے
شاعر: ثاقب لکھنوی
عبدالرزاق، قاضی پلاٹ، کارنجہ، واشم

.....

میں بولتا ہوں تو الزام ہے بغاوت کا
میں چپ رہوں تو بڑی بے بسی سی ہوتی ہے
شاعر: بشیر بدر

☆

تمام عمر بھٹکتا رہا میں خانہ بدوش
خرید بھی نہ سکا ایک مکان قسطوں میں
شاعر: فریاد آذر
شیخ اسلم شیخ فاروق، عیدگاہ پلاٹ، شیگاؤں، مہاراشٹر

.....

میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا
شاعر: میر تقی میر
یوسف احمد، تونڈاپور، مہاراشٹر

....

امیرِ شہر کے گھر میں ہے نہ خاندان میں ہے
وقار جتنا غریبوں کی آن بان میں ہے
زمانے بھر کی کتابیں کھنگالتے کیوں ہو
تمام مسئلوں کا حل تو بس قرآن میں ہے
شاعر: عبدالسلام اظہر
کلثوم انجم عبدالوہاب، نئی نگری، لونار، بلڈانہ

....

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر اس کی کیا ہے کوئی جینٹ کوئی جج ہے
شاعر: اکبر الہ آبادی
حکیم النساء، کسارکھیڑا، بالاپور، اکولہ

....

دس بچوں کو پالا تھا کسی ماں نے بڑے جتن سے
ضعیفی میں وہ اس کا صلہ بھی نہ پائی
باپ کے مرتے جائیداد ہوئی جب تقسیم
ایک ماں تھی جو کسی کے حصے میں نہ آئی
شاعر: منور رانا
انور شاہ یوسف شاہ، حضرت دادادیوان اسکول، واشم

....

نہ زر نہ زمیں نہ شہرت کا جہاں دے مجھ کو
محنت کا ٹوٹا ہوا غربت کا مکاں دے مجھ کو

وہ راستے جو میری منزل کو ملاتے ہیں خدا
وہ منزل پر پہنچنے کے نشاں دے مجھ کو
شاعر: ناظم نواز
محمد فیضان، چھوٹا بازار، ملکاپور، بلڈانہ، مہاراشٹر

....

بسازِ حادثہ ہم نغمہ بُودن آرام است
اگر زمانہ قیامت کند تو طوفاں باش
شاعر: مرزا عبدالقادر بیدل
محمد سہیل ولد محمد صادق، روشن پورہ، مرتضیٰ پور، اکولہ

....

محبتوں کا مہکتا ہوا اثر جلاتے نہیں
کبھی دلوں کا دلوں سے سفر ملاتے نہیں
کہ ہم چراغ ہیں شعلہ نہیں تمہاری طرح
گھروں کو روشنی دیتے ہیں گھر جلاتے نہیں
شاعر: کنور جاوید
سمیر خان سلیم خان، پٹھان پورہ، مرتضیٰ پور

....

پکارا جب کبھی میں نے، خوشی منہ پھیر کر بولی
کہ تیرے شہر میں انسان کا انسان دشمن ہے
شاعر: شفیق جونپوری
صائمہ فرحین، موہالہ، آکوٹ، اکولہ

....

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے
شاعر: مولانا محمد علی جوہر
صوفیہ بانو، کرامت منزل، ندی پار، آسنسول

اقوال زریں

☆ غصہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوسروں کی غلطیوں کا انتقام اپنے آپ سے لیتے ہیں اور یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے۔

☆ آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ مذہب اور اخلاق کی پابندی نہ کی جائے۔

☆ انسان کے لیے اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ اس دنیا میں نیکی سے راحت ملتی ہے۔

☆ زندگی کا اصل مزہ اسی میں ہے کہ ہمیشہ تکلیفوں اور مصیبتوں کا مقابلہ کرو اور اس کے ساتھ ساتھ مسکراتے بھی رہو۔

☆ جس قوم میں غدار پیدا ہونے لگیں، اس قوم کے مضبوط قلعے بھی ریت کے گھروندے ثابت ہوتے ہیں۔

☆ جو نصیحت پر عمل نہ کرے، سمجھ لو کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔

☆ اپنے ظاہر و باطن کو یکساں رکھو۔

☆ نیک آدمی کے لیے موت راحت ہے اور بد کی موت دنیا کے لیے راحت ہے۔

☆ تین چیزوں سے بچو، اس میں سخت خطرہ ہے (۱) عیب جوئی، (۲) خود پسندی، اور (۳) ریا کاری سے۔

☆ صدق یہ ہے کہ جو بات دل میں ہو وہی کہو۔

محمد شمیم عمر، موہنیاں، پلاسی، اررریہ، بہار

....

☆ خوشی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کرے۔

☆ زندگی کو سادہ اور خیالات کو بلند رکھو۔

☆ مسکراہٹ خوبصورتی کی علامت ہے۔

☆ تجربہ بہترین استاد ہے۔

☆ انسان ہمیشہ اپنے دوست اور درخت ہمیشہ اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

☆ ماحول تبدیل کر لو مگر اچھے دوست نہ چھوڑو۔

☆ انسان دنیا میں دوست کے بغیر ادھورا ہے۔

☆ زبان سے اچھی بات کے سوا کچھ نہ کہو۔

☆ اچھا دوست اگر سو بار بھی روٹھے تو اسے ہر بار مناؤ کیونکہ قیمتی موتی کی مالا جتنی بار ٹوٹتی ہے اسے ہر بار پرونا پڑتا ہے۔

☆ کتابیں انسان کی بہترین دوست ہے۔

☆ حقیقی دوست وہ ہے جو آپ کے پاس

اس وقت آتا ہے جب ساری دنیا آپ سے قطع تعلق کر چکی ہوتی ہے۔

☆ ضرورت کو کم کرنا سب سے بڑی مالداری ہے۔

☆ جسے دیر سے غصہ آتا ہے وہ بہت ہی عقلمند ہے جو زود رنج ہے وہ اپنی بے وقوفی ظاہر کرتا ہے۔

☆ جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے اور جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

☆ علم کا دشمن تکبر۔ صبر کا دشمن لالچ اور راستی کا دشمن دروغ گوئی ہے۔

☆ اعمال کے محرابوں کی مرمت خیال کے ہاتھوں سے نہیں ہوسکتی۔

☆ حیات ابدی کے لیے ضروری ہے کہ نیک کام کرو۔

☆ سیرت کے جمال کو دیکھو نہ کہ صورت کی دلفریبی۔

نواز احمد ارشاد احمد، جونی بستی، بدنیرہ، امراوتی

....

☆ جب مجھے لگتا ہے کہ میں خدا سے باتیں کروں تب میں نماز پڑھنے لگتا ہوں اور جب مجھے لگتا ہے کہ خدا مجھ سے باتیں کرے تو میں قرآن پڑھتا ہوں۔ (حضرت علیؓ)

☆ عزت کمانے کے لیے پوری زندگی چلی جاتی ہے لیکن عزت گنوانے کے لیے ایک لمحہ بھی کافی ہے۔

☆ علم طاقت ہے ایک عالم میں ایک لاکھ جاہلوں کے برابر طاقت ہوتی ہے۔

☆ علم ایک ایسا پودا ہے جسے دل و دماغ کی سرزمین میں لگانے سے عقل کے پھل لگتے ہیں۔

☆ اگر تم نے اپنی اولاد کے لیے فقط اولاد چھوڑی ہے تو مانو کہ انھیں گمراہی اور سستی کی قید میں پھنسا دیا، لیکن اگر خالی علم و نیک چلنی سکھا دی ہے تو گویا ان کو تمام قیدوں سے آزاد کر دیا۔

☆ ہر ایک خیرات کردہ چیز کا اثر اس کی موت جوگی تک رہتا ہے، لیکن علم کا فیض ابد الآباد ایک کے بعد دوسرے کو پہنچتا ہے۔

عبدالمستقیم، شولا پور، مہاراشٹر

....

☆ عبادت ایسی کرو کہ جس سے تمھاری روح کو مزہ آئے، جو عبادت دنیا میں مزا نہ

دے گی وہ عاقبت میں کیا جزا دے گی۔

☆ تین چیزیں سخت تر ہیں: جوانی میں مفلسی، سفر میں بیماری اور تنگدستی میں قرض۔

☆ اپنی ظاہری حالت ہر حال میں اچھی رکھ، خواہ زمانہ تیرے کتنا ہی ناموافق ہو۔

☆ جو شخص خطروں پر سوار نہ ہو وہ مرغوب چیزیں حاصل نہیں کر سکتا۔

☆ حقیر شخص جو بات تجھے کہے، اسے حقیر نہ سمجھ، کیونکہ شہد کی مکھی گو مکھی ہے مگر شہد کا پرندہ ہے۔

محمد شاداب، موہنیاں، پلاسی، ارریہ، بہار

....

☆ تم لوگ اپنی پاکیزگی مت جتایا کرو، اللہ خوب جانتا ہے کہ کون کتنا پرہیزگار ہے۔ (قرآن کریم)

☆ جو شخص تمھاری خامیوں سے تمھیں مطلع کرتا ہے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو غلط تعریف کر کے تمھارا دماغ خراب کر دے۔ (فیثا غورث)

☆ خواہ کچھ بھی ہو، گناہ انسان کو پریشانی میں ضرور ڈالتا ہے۔ (حضرت عثمانؓ)

☆ اچھی بات چاہے کسی نے کہی ہو، غور سے سنو۔ (بقراط)

☆ انسان کا سب سے بڑا بوجھ اس کا غصہ ہے۔ (امام مالک)

☆ جس چیز کو مومن (یعنی صحابہؓ) اچھا سمجھیں گے وہ چیز اللہ کے ہاں بھی اچھی ہوگی اور جس چیز کو بُرا سمجھیں گے وہ چیز اللہ کے یہاں بھی بری ہوگی۔

☆ اللہ تعالیٰ مال تو اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت ہو اور اسے بھی دے دیتے ہیں جس سے محبت نہ ہو، لیکن ایمان صرف اسے ہی دیتے ہیں جس سے محبت ہو۔

☆ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو صفوں میں نماز کی پہلی صف کی طرف بڑھتے ہیں اور فرشتے ان کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

☆ جب تم دیکھو کہ تمھارے بھائی سے کوئی گناہ صادر ہو گیا ہے تو اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بن جاؤ، بلکہ اللہ سے اس کے لیے اور اپنے لیے عافیت مانگو۔ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ)

فضا پروین محمد یاور، منگرول پیر، واشم

....

☆ گناہ کسی نہ کسی صورت میں دل کو بے چین رکھتا ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆ مرنے والوں سے عبرت حاصل کرو۔
(حضرت عثمان غنیؓ)

☆ جو اللہ تعالیٰ سے اُنس رکھتا ہے اس کو لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔
(حضرت جعفر صادقؒ)

☆ دل آزاری سب سے بڑی مصیبت ہے۔ (حکیم بو علی سیناؒ)

☆ انسان کی بہترین خصلت علم ہے۔
(حکیم بو علی سیناؒ)

☆ رعایا کی خوشحالی سے بادشاہ کی رونق ہے اور رعایا کی مفلسی سے بادشاہ کی تباہی ہے۔

☆ جو شخص غریبوں پر ظلم کرتا ہے اپنے خالق کی نافرمانی کرتا ہے اور جو مفلسوں پر رحم کرتا ہے اس کی عزت کرتا ہے۔

☆ گھر اور مال وہ میراث ہے جو باپ سے حاصل ہوتی ہے لیکن دانشمند بیوی نعمت خداداد ہے۔

☆ وہ دولت جو غلط طریقے سے حاصل کی جائے گھٹ جاتی ہے اور جو محنت سے حاصل کی جائے وہ بڑھتی ہے۔
(حضرت سلیمان علیہ السلام)

رونق سبطین، کرامت منزل، آسنسول

....

☆ مجھے پیار ہے ایسے لوگوں سے جو اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہیں۔

☆ مجھے پیار ہے ایسے شخص سے جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔

☆ مجھے پیار ہے ایسے ماں باپ سے جو اپنے بچوں کو اچھی تعلیم دیتے ہیں۔

☆ مجھے پیار ہے ایسے لوگوں سے جو ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔

☆ مجھے پیار ہے ایسے لوگوں سے جو اپنے وطن سے پیار کرتے ہیں۔

☆ مجھے پیار ہے ایسے لوگوں سے جو برائی کا ساتھ نہ دیتے ہوں۔

☆ اپنی روزی پر قناعت کر کیونکہ قناعت ہی حقیقت میں غنا ہے اور جو قناعت نہیں کرتا محتاجی اس کے نزدیک ہوا کرتی ہے۔

☆ جب تک قدرت و طاقت ہو، احسان کر۔ کیونکہ انسان کی قدرت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔

☆ غیبت سننے والا، کہنے والے کا ساتھی ہے۔

افشاں پروین محمد جمیل، گل باوڑی، ریسوڑ، واشم

....

معلومات

کون کس لیے مشہور ہیں

☆ حکومت میں حضرت سلیمان علیہ السلام
☆ حکمت میں حضرت لقمان علیہ السلام
☆ صداقت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
☆ تدبیر وسیاست میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
☆ حیاء میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
☆ شجاعت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
☆ صبر میں حضرب ایوب علیہ السلام
☆ درازیٔ عمر میں حضرت نوح علیہ السلام
☆ صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام
☆ سخاوت میں حاتم طائی
☆ دولت میں قارون
☆ نخوت میں فرعون
☆ جہالت میں ابوجہل

☆

☆ اردو زبان کے پہلے شاعر حضرت امیر خسرو ہیں۔
☆ اردو کا پہلا اخبار "جامِ جہاں نما" ہے۔
☆ اردو کی پہلی یونیورسٹی کی بنیاد میر عثمان علی خان نے 1918ء میں رکھی۔
☆ اردو غزل کے امام، ولی دکنی کو کہا جاتا ہے۔
☆ مولوی عبدالحق کو بابائے اردو کہتے ہیں۔
☆ آغا حشر کاشمیری کو اردو کا شیکسپیئر کہتے ہیں۔
☆ علامہ اقبال کو شاعرِ مشرق اور سر کے خطاب سے نوازا گیا۔
☆ حضرت خالد بن ولیدؓ کو نبی اکرم ﷺ کی طرف سے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب دیا گیا۔
☆ حضرت علیؓ کو محمد ﷺ کی طرف سے مرتضٰی (اللہ کا شیر) کا لقب دیا گیا۔
☆ غالب کو دبیر الملک، نجم الدولہ، نظام الملک وغیرہ شاہی خطابات ملے۔
☆ ۱۵۲۶ء میں ظہیر الدین محمد بابر نے ہندستان پر حملہ کیا اور ابراہیم لودھی کو شکست دی۔
☆ ۱۸۵۷ء میں آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو ہمایوں کے مقبرے سے گرفتار کیا گیا۔
☆ دنیا کے گرد پہلا بحری سفر پرتگالی جہازراں فرڈیننڈ میگلین نے ۱۵۱۹ء میں پورا کیا۔
☆ رابندر ناتھ ٹیگور نے ادب میں ۱۹۱۳ء میں نوبل انعام حاصل کیا۔
☆ دنیا کا سب سے لمبا جانور زرافہ ہے، جس کی لمبائی تقریباً ۱۶ سے ۲۰ فٹ تک ہوتی ہے۔

☆ دنیا کا سب سے چھوٹا پرندہ ہمینگ برڈ ہے۔
☆ یاجوج ماجوج کو قید کرنے والے بادشاہ کا نام ذوالقرنین تھا۔
☆ سکندر اعظم کے استاد کا نام ارسطو تھا۔
عبدالمستقیم اشتیاق احمد شاہ جی، سولا پور، مہاراشٹر

☆ سورج کی روشنی سات رنگوں سے مل کر بنی ہوئی ہے۔
☆ پوری دنیا میں لگ بھگ پانچ ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں۔
☆ دنیا میں سب سے پہلے صبح اور شام نیوزی لینڈ میں ہوتی ہے۔
☆ دریائی گھوڑے کو گلابی رنگ کا پسینا آتا ہے۔
☆ انسان کے دماغ کا وزن تین پونڈ ہوتا ہے۔
قریشی طفیل احمد شیخ کلیم، قریشی محلہ، شہادہ، نندوربار

☆ ہندستان کا سب سے بڑا آبشار 'وگری سپا آبشار' کرناٹک میں ہے۔
☆ ہندستان کی سب سے بڑی صنعت کپڑے کی صنعت ہے۔
☆ ہندستان کا سب سے بڑا دریا گنگا ہے۔

☆ ہندستان کی سب سے کم آبادی والی ریاست سکم ہے۔
☆ ہندستان کا سب سے اونچا باندھ بھاکڑا باندھ ہے۔
☆ ہندستان کا سب سے لمبا روڈ گرانٹ ٹرنک روڈ ہے۔
☆ ہندستان کی سب سے بڑی ریاست مدھیہ پردیش ہے۔
عبدالرزاق، نزد صابرہ مسجد، کارنجہ لاڈ، مہاراشٹر

☆ ریڑھ کی ہڈی ۳۳ ہڈیوں پر مشتمل ہے۔
☆ ہندستان میں گیہوں کا گودام پنجاب کو کہتے ہیں۔
☆ بنگال کی دامودر ندی کو ''آفتِ بنگال'' کہا جاتا ہے۔
☆ سمندر کی گہرائی ناپنے والا آلہ ''پیاتھو میٹر'' ہے۔
☆ دھوپ کے چشمے کی ایجاد چین نے کی۔
☆ سب سے زیادہ شکر پیدا کرنے والا ملک کیوبا ہے۔
☆ دھوپ سے وٹامن ڈی ملتا ہے۔
☆ بیری بیری بیماری کا سبب وٹامن بی کی کمی ہے۔
خوشبخت سبطین، کرامت منزل، ندی پار، آسنسول

ذوالقرنین

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے۔ ابن جریر، امام رازی طبری اور جوزیفش کے بیانات کی روشنی میں سکندر رومی کو اور بعض کے نزدیک خسرو نوشیرواں، کیقباد یادارائے اول ذوالقرنین تھے۔ جدید تحقیق و تفتیش سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دراصل سائرس (فورس) شاہ فورس کا لقب ذوالقرنین تھا۔ سورۂ کہف کی آیات ۷۹ تا ۹۵ کے مطابق ذوالقرنین صاحب الہام وکشف تھا۔ وہ اپنے علاقے سے مغرب کی جانب مختلف ممالک کو فتح کرتا ہوا ایک سیاہ چشمے تک پہنچا جہاں سورج ڈوب رہا تھا۔ اس کے بعد وہ مشرق کی طرف متوجہ ہوا اور کئی ممالک فتح کیے۔ پھر وہ ایک درمیانی علاقے میں آیا جہاں یاجوج ماجوج حملہ کررہے تھے، جہاں اس کے لیے لوہا اور تانبہ پگھلا کر ایک مضبوط دیوار بنائی۔ بائبل میں بھی سائرس کو برگزیدہ بندہ کہا گیا ہے۔

سکندر ''انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا'' کے مطابق بھی ملحد و مشرک تھا۔ بلکہ خدائی کا دعوا کرتا تھا۔ محمد ابن کثیر، حافظ ابنِ حجر اور رازی بھی اس متفق تھے اور 'سدِ سکندر' کے نام سے جو سد مشہور ہے، وہ سکندر کی بنائی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ کوپیلس اور جوزیفش نے بھی دو سال سکندر سے پہلے ہی دیکھ لی تھی۔

تانا شاہ

گولکنڈہ کا آخری تاجدار' ابوالحسن قطب شاہ' تانا شاہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ عیش طلب، آرام پسند اور نازک طبع تھا۔ اس کی نازک طبعی اور سہل پسندی کے بہت سے قصے زبان زدعام ہوئے مگر محققین بتارہے ہیں کہ تانا شاہ کو ایک خاص طبقے نے مطعون ملعون قرار دیا وہ شریف النفس بادشاہ عبداللہ قطب کا داماد بھی تھا جو اس کی وفات پر تخت پر بیٹھا مگر درونِ خانہ سازشوں نے اس کو چین لینے نہیں دیا۔ ۱۶۲۷ء میں مغلوں نے گولکنڈہ فتح کر کے تانا شاہ کو قید کردیا۔ وہ خود شاعر تھا اور شاعروں کا قدردان بھی تھا۔ نوری، فائز اور شاہی اس کے دور کے مشہور شاعر تھے جو دربار سے وابستہ تھے۔ تانا شاہ کی حق پسندی بھی ضرب المثال بن گئی تھی۔

مغرب کی ھجرت

۱۷۰۰ء کے درمیان برطانیہ سے تقریباً پانچ لاکھ لوگ ترکِ وطن کر کے نیو

انگلینڈ، ورجینیا اور میری لینڈ میں جا بسے۔ ان میں سے کچھ جزائر غرب الہند بھی پہنچے۔ ۱۸۰۰ء تک ترکِ وطن کرنے والوں کی تعداد تین گنا ہوگئی۔ ان میں آئرلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے لوگ بھی شامل تھے۔ بعد میں جرمنی، آسٹریا، ہنگری اور اٹلی کے باشندے بھی امریکہ کا رُخ کرنے لگے۔ ۱۹۰۷ء تک تو اہل یورپ کی یلغار سی ہوگئی۔ ایک سال میں دس لاکھ اور تیس برس میں دو سو پچیس لاکھ لوگ امریکہ پہنچے۔ ۱۹۰۰ء تا ۱۹۲۰ء ڈیڑھ کروڑ کے قریب لوگوں نے ہجرت کی۔ ۱۹۵۹ء کینڈا میں بھی پندرہ لاکھ لوگ پہنچے۔

بیٹی کے لیے

ترکی کے سلطان مصطفےٰ چہارم (۱۷۱۷ء۔۱۷۷۴ء) کے ۵۲۸ لڑکے تھے۔ سلطان کو لڑکی کی تمنا تھی، جس کی آرزو میں ۱۷ سال تک شادیاں کرتا رہا مگر کبھی کسی بیوی سے اس کی تمنا پوری نہ ہو سکی تھی۔

قاضی فراز احمد، پوسٹ سگوے، تعلقہ، راجاپور، رتنا گری

سیب، ٹماٹر اور رس بھری ایک ساتھ

☆ برطانیہ کے کاشت کاروں نے ایسا منفرد پھل متعارف کروایا ہے جو سیب کی شکل میں ہے۔ مگر کاٹنے پر اس کا گودا ٹماٹر کی طرح نظر آتا ہے۔ اس پھل کو ''رسپ بیری'' کا نام دیا گیا ہے۔ جلد ہی یہ پھل برطانوی مارکیٹ میں فروخت کے لیے پیش کر دیا جائے۔ یہ پھل اصل میں سیب ہی کی ایک قسم ہے۔ اس پھل کا گہرا سرخ رنگ ٹماٹر کے رنگ سے بہت حد تک ملتا جلتا ہے، لیکن اس کا مزیدار ذائقہ رس بھری جیسا ہے۔

ڈیڑھ انچ لمبا دنیا کا سب سے چھوٹا وائلن

☆ ایک موسیقار نے دنیا کا سب سے چھوٹا وائلن تیار کر لیا ہے، جس کی لمبائی صرف ایک انچ ہے۔ اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود اس وائلن کی قیمت میں کوئی کمی نہیں، بلکہ یہ ایک ہزار پاؤنڈ (یعنی ایک لاکھ باون ہزار روپے) میں فروخت کے لیے رکھا گیا ہے۔ دنیا کے سب سے چھوٹے وائلن کا اعزاز حاصل کرنے والا یہ وائلن عام وائلن سے کئی گنا چھوٹا ہے۔ اس کے موجد نے کہا ہے کہ یہ نہایت چھوٹا ہونے کے باوجود دنیا کا بہترین وائلن ہے۔

محمد انس، کھوری گاؤں، فرید آباد

گدگدیاں

☆ ایک مولوی صاحب بس میں سفر کررہے تھے۔ ان کی سامنے والی سیٹ پر بیٹھی ایک عورت اپنے بیٹے سے بار بار یہی کہہ رہی تھی: ''بیٹا! جلدی سے یہ حلوہ کھالو ورنہ میں ان انکل کو دے دوں گی۔''
جب اس عورت نے چوتھی بار یہ کہا تو مولوی صاحب بولے: ''باجی! جلدی فیصلہ کرلو۔ حلوے کی چکر میں چار اسٹاپ آگے آگیا ہوں۔''
عارف حسین، ابن اکرام حسین، بالاپور

....

☆ ایک دوست نے اپنے دوست سے کہا: ''یار میں شاعر بننا چاہتا ہوں۔ میرا نام احسان ہے۔ مگر اس سوچ میں ہوں کہ اپنا تخلص کیا رکھوں؟''
دوسرے دوست نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: ''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ تم اپنا تخلص فراموش رکھ لو۔ لوگ تمھیں احسان فراموش کہنے لگیں گے۔''
ثناء فاطمہ بنت سید ذاکر علی، بالاپور، اکولہ

....

☆ ایک جنگل کے جانوروں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ ایک ہرن نے بھاگتے ہوئے چوہے سے پوچھا: ''کیا بات ہے؟''
چوہے نے پریشانی سے کہا: ایک شیر اغوا ہوگیا ہے۔''
ہرن نے کہا: ''تو تم پریشان کیوں ہو؟''
چوہا کہنے لگا: ''مجھ پر شک کیا جارہا ہے۔''
شمی سبطین، کرامت منزل، ندی پار، آسنسول

....

☆ شگفتہ نے اپنا سر باجی کے آگے جھکاتے ہوئے کہا: ''باجی! کیا آپ کو میرے سر میں کچھ نظر آرہا ہے؟''
باجی نے کہا: ''تمھارے سر پر امتحان آگئے ہیں۔''

☆

☆ اسلم (استاد سے): ''میرا بیٹا تاریخ میں کیسا ہے؟ میں تاریخ میں بہت کمزور تھا۔''
استاد: ''بس یہ سمجھیے کہ تاریخ خود کو دہرا رہی ہے۔''
سید شاہنواز علی، بلوچ پورہ، بالاپور

....

☆ مالک: ''رامو! تمھیں کل سب مچھروں کو مارنے کو کہا تھا۔ پھر یہ مچھر کیسے ہیں؟''
رامو: ''مالک! کل سب مچھروں کو ماردیا تھا۔

یہ ان کی بیوائیں ہیں جو آج سوگ منا رہی ہیں۔''
اشمل فاطمہ، بلوچ پورہ، بالاپور، اکولہ

☆ نیتا جی (ڈاکٹر سے): ''میری رپورٹ ذرا ایسی زبان میں سمجھانا تاکہ میں ٹھیک طور سے سمجھ سکوں۔''
ڈاکٹر: ''رپورٹ کے مطابق آپ کا بلڈ پریشر گھوٹالے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پھیپھڑے جھوٹی تسلیاں دینے لگے ہیں اور دل استعفیٰ دینے والا ہے۔''

☆

☆ ایک دوست نے دوسرے دوست سے کہا: ''ہمارے ملک میں رشوت ختم ہوگئی ہے۔''
دوسرے دوست نے حیرت سے کہا: ''وہ کیسے؟''
پہلے نے کہا: ''ہم نے رشوت کا نام بدل کر کمیشن رکھ دیا ہے۔''
آفرین فردوس، شیخ عبدالرزاق، محبوب نگر، کھام گاؤں

☆ دو دوست برابر برابر چل رہے تھے۔ ایک صاحب آئے اور دونوں کے بیچ میں چلنے لگے۔ ایک دوست نے کہا: ''آپ گدھے ہیں یا اُلّو؟''
انھوں نے جواب دیا: ''بندہ نواز! میں دونوں کے بیچ میں ہوں۔''
روبی ماہین، شمشیر پورہ، پی راجہ، کھام گاؤں

☆ استاد (شاگرد سے): ''تمھارا پیٹ کب دُکھتا ہے؟''
شاگرد: ''اسکول جاتے وقت۔''

☆

☆ استاد (شاگرد سے): ''وہ کون سی چیز ہے جس کے بند ہونے پر سکون ملتا ہے؟''
شاگرد: ''اسکول۔''
انصاری دلشاد شکیل احمد، مسلم نگر، دھولیہ، مہاراشٹر

☆ تین آدمیوں کو ایک موٹر سائیکل پر جاتے ہوئے دیکھ کر ٹریفک پولیس نے رُکنے کا اشارہ کیا۔ پیچھے بیٹھا ہوا آدمی بولا: ''پاگل ہوگئے ہو۔ نظر نہیں آتا موٹر سائیکل پر جگہ نہیں ہے۔ تم کہاں بیٹھوگے؟''
سید ابوالحسن، گوندھنا پور، تعلقہ، کھام گاؤں

☆ مریض نے حکیم صاحب سے کہا: ''جناب! میں دوا، گولی یا پانی جو بھی لیتا ہوں اس کے فوراً بعد قے ہوجاتی ہے۔ کسی بھی طرح قے ہونا بند نہیں ہوتی۔
حکیم: ''تم بازار جا کر سرخ رنگ کا رومال فوراً

خریدلو۔ دوا یا گولی لینے کے بعد وہ رومال منہ پر رکھ لیا کرو۔''
مریض: ''ایسا کرنے سے قے رُک جائے گی؟''
حکیم صاحب: ''جب اتنی بڑی ریل سرخ جھنڈی سے رک سکتی ہے تو کیا تمھاری قے نہیں رک سکتی۔''

☆
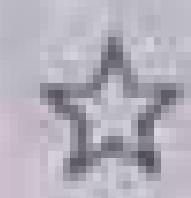
☆ ایک دولت مند امریکی تاجر کا آخری وقت تھا۔ اس کے سرہانے پادری بیٹھا تھا۔ امریکی تاجر نے کمزوری سے آنکھیں کھولیں۔ پادری نے آگے جھک کر کان لگا دیے کہ شاید اب یہ اپنی وصیت سنائے گا۔''
دولت مند تاجر نے سوال کیا: ''اگر میں آپ کے چرچ کو دس ہزار ڈالر عطیہ دوں تو کیا آپ کی دعا سے میری جان بچ جائے گی؟''
پادری نے کچھ سوچا اور پھر پسینا پونچھتے ہوئے بولا: ''ویسے تو ہر آدمی کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ لیکن آزما لینے میں کیا حرج ہے۔''
محمد سفیان شیخ محی الدین، بھساول، مہاراشٹر

☆ ایک آدمی کی بیوی بہت زبان دراز تھی۔ ایک دن وہ زینے سے گر گئی اور ایک ہونٹ کٹ گیا۔ ڈاکٹر نے کہا: ''ہونٹ کٹ گیا ہے۔ اسے سینے کی فیس دو سو روپے ہوگی۔''
شوہر نے جھٹ سے چار سو روپے نکال کر دیتے ہوئے کہا: ''مہربانی کر کے دونوں ہونٹ ملا کر سی دیجیے۔''

☆

☆ ایک آدمی نے آگے سے تو قمیص پتلون کے اندر کی ہوئی تھی، لیکن پیچھے سے باہر نکلی ہوئی تھی۔ کسی نے روک کر پوچھا: ''بھائی صاحب! یہ نیا فیشن ہے؟''
وہ بولا: ''نہیں بھائی، قمیص آگے سے اور پتلون پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے۔''
ذیشان، مدرسہ دارالتربیت، کرمالی، گجرات

☆ استاد: (ببلو سے): ''شاباش ببلو! تم نے اس مرتبہ بہت اچھے نمبر حاصل کیے ہیں۔ امید ہے کہ آیندہ بھی ایسے ہی نمبر لاؤ گے۔''
ببلو: ''ضرور سر۔ مگر شرط یہ ہے کہ اب کی بار بھی پرچے بھائی جان کی پریس میں چھپوائیے گا۔''
شیخ عبدالعظیم، عبدالغفار خان، کونڈاپور، مہاراشٹر

☆ استاد (شاگرد سے): ''P.W.D. کسے کہتے ہیں؟''

شاگرد: ''پکوڑے والی دکان کو۔''
عرشیہ کوثر بنت محمد آصف، مومن پورہ، کھولا پور

....

☆ ایک مرتبہ شہنشاہ اکبر، بیربل کے ساتھ گھومتے گھومتے کسی گاؤں میں جا پہنچے۔
اچانک ایک آدمی سے ملاقات ہوئی۔
اکبر بادشاہ نے اس کا نام پوچھا: ''وہ آدمی بولا: ''گنگا۔''
پھر اکبر بادشاہ نے اس کے باپ کا نام پوچھا۔ وہ بولا: ''جمنا۔''
تب بیربل نے پوچھا: ''تیری ماں کا نام کیا ہے؟''
وہ بولا: ''سرسوتی۔''
''ٹھہرو، پہلے مجھے ناؤ کا بندوبست کر لینے دو۔ نہیں تو سب کے سب ڈوب جائیں گے۔''
راحیل ضیاء شیخ کلیم، قریشی محلہ، نندوربار

....

☆ فقیر: ''دس روپے دے دو صاحب، چائے پیوں گا۔''
آدمی: ''چائے تو پانچ روپے کی آتی ہے۔''
فقیر: ''گرل فرینڈ بھی پیے گی۔''
آدمی: ''فقیر نے بھی گرل فرینڈ بنالی!''
فقیر: ''نہیں صاحب! گرل فرینڈ نے فقیر بنا دیا۔''
محمد عمران احمد، تاج نگر نمبر ۲، امراوتی

☆ باپ (بیٹے سے): ''بیٹا! پڑھ لکھ کر اتنے بڑے آدمی بن جاؤ کہ دنیا کے چاروں کونوں میں تمھارا نام مشہور ہو جائے۔''
بیٹا: ''مگر پاپا، دنیا تو گول ہے۔''

☆

☆ ڈاکٹر (شوہر سے): ''آپ کی بیوی صرف دو دن کی مہمان ہے۔ آئی ایم سوری۔''
شوہر: ''اس میں سوری کی کیا بات ہے۔ جہاں چالیس سال گزارے ہیں، دو دن بھی گزر ہی جائیں گے۔''
ریاض مشیر، سندیلہ، ہردوئی، یوپی

....

☆ مُلّا نصرالدین ایک امیر کی محفل میں بیٹھے تھے۔ امیر اپنی دولت کی ڈینگیں مار رہا تھا۔ باتوں باتوں اس نے میں مُلّا سے پوچھا: ''مُلّا! تمھیں تو علم ہے کہ عباسی خلافت کے دور میں امیروں اور رئیسوں کو ایسے خطاب ملتے تھے جیسے معتصم باللہ وغیرہ۔ اگر میں اس دور میں ہوتا تو مجھے کیا خطاب ملتا؟''
''نعوذ باللہ'' مُلّا نے فوراً جواب دیا۔
ارسلان احمد، جسولا وہار، نئی دہلی

....

قلمی دوستی

نام: عمیر خان ابن مرتضیٰ خان
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: ڈرائنگ بنانا، معلومات جمع کرنا
پتا: خیر محمد پلاٹ، حبیب نگر، اکولہ

....

نام: التمش نعیم منیار
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: لکھنا پڑھنا
پتا: پرائمری اسکول، شیند ورنی، مہاراشٹر

....

نام: ثنا امرین نعیم منیار
تعلیم: بارہویں جماعت
مشغلہ: دینی معلومات حاصل کرنا
پتا: محمدیہ اینگلو ہائی اسکول، جونیئر کالج، شیند ورنی، مہاراشٹر

....

نام: ثاقب حسین اکرام حسین
تعلیم: دوسری جماعت
مشغلہ: کھیلنا
پتا: اعظم پورہ، کسار کھیڑا، بالاپور، اکولہ

....

نام: عارف حسین اکرام حسین
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: سائنس کا مطالعہ کرنا
پتا: اعظم پورہ، کسار کھیڑا، بالاپور

....

نام: اکمام حسین اکرام حسین
تعلیم: ڈی ٹی ایڈ
مشغلہ: اردو کی جدید کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: اعظم پورہ، کسار کھیڑا، بالاپور، اکولہ

....

نام: عابد حسین ابن اکرام حسین
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: کارٹون دیکھنا
پتا: اعظم پورہ، کسار کھیڑا، بالاپور، اکولہ

....

نام: انجم محمود منیار
تعلیم: بارہویں جماعت
مشغلہ: دینی معلومات حاصل کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: قاضی پورہ، شیند ورنی، جلگاؤں، مہاراشٹر

....

نام: بلال احمد رضوی
تعلیم: گیارہویں جماعت
مشغلہ: ناداروں کی مدد کرنا
پتا: گاؤں امرولی عرف بڑا پور، موانہ، میرٹھ

....

نام: محمد انس مختار باغبان
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: کہانیاں پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: 267/48، راویر پیٹھ، شولاپور، مہاراشٹر

....

بچوں کی کوششیں

آزادی کی قدر

''آج تمھیں میرے گھر چلنا ہے۔'' ماہ رخ نے اپنی سہیلی فائزہ سے کہا۔

''ہاں ہاں! میں نے اپنے دادا سے پوچھا تھا۔ انھوں نے مجھے اجازت دے دی ہے۔ میں تمھارے گھر چلوں گی'' فائزہ نے بتایا۔

جیسے ہی اسکول سے چھٹی ہوئی فائزہ اپنی سہیلی ماہ رخ کے گھر چلی گئی۔ کھانا کھانے کے بعد ماہ رخ نے فائزہ سے کہا: ''آؤ میں تمھیں اپنا گھر دکھاؤں۔''

''تمھارا گھر تو بہت پیارا ہے۔'' فائزہ نے تعریف کی۔ ''ارے وہ کیا ہے؟'' فائزہ نے گیلری میں رکھے پنجرے کی طرف اشارہ کیا۔

''آؤ میں تمھیں دکھاؤں۔ کتنا پیارا پنجرہ ہے۔'' ماہ رخ نے کہا۔

''اس میں کیا ہے؟'' فائزہ نے پوچھا۔

''اس میں چڑیاں، طوطے اور کبوتر ہیں۔''

''وہ چڑیا کتنی پیاری ہے۔'' فائزہ نے چڑیا کی طرف اشارہ کیا۔ ''اچھا، اب میں گھر چلوں۔'' فائزہ نے ماہ رخ سے اجازت لی اور گھر آگئی۔

''دادا جان! دادا جان!'' گھر پہنچتے ہی فائزہ نے اپنے دادا کو آواز دی۔

''جی بیٹا! کیا بات ہے؟''

''دادا جان! آپ نے کہا تھا کہ جب میری فرسٹ پوزیشن آئے گی تو آپ میری پسند کی چیز مجھے تحفے میں دیں گے۔''

''ہاں بیٹا میں نے کہا تھا۔''

''ٹھیک ہے دادا جان! آپ یاد رکھیے گا۔ دو دن بعد میرا رزلٹ آئے گا تو میں آپ کو بتاؤں گی کہ مجھے کیا چیز چاہیے۔''

دو دن بعد فائزہ کا رزلٹ آیا تو اس کی فرسٹ پوزیشن آئی۔ گھر پہنچتے ہی اس نے دادا جان کو آواز دی:

''دادا جان! میں فرسٹ آئی ہوں۔ اب آپ مجھے گفٹ دیں۔''

''کیا چیز چاہیے؟'' دادا جان نے پوچھا۔

''ایسی چڑیا جیسی ماہ رخ کے گھر میں ہے۔'' فائزہ نے بتایا۔

''لیکن بیٹے! انھیں قید کرنا تو بُری بات ہے۔ ایسا کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔'' دادا جان نے فائزہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''نہیں دادا جان! آپ مجھے گفٹ میں

چڑیا لا کر دیں ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ میں شام کو لا دوں گا۔''

فائزہ کی ضد دیکھتے ہوئے دادا جان نے اسے چڑیا لا دی۔ چڑیا کو دیکھ کر وہ بہت خوش تھی۔ اس نے چڑیا کا بہت خیال رکھا۔ لیکن چڑیا نے بولنا، کھانا پینا چھوڑ دیا تھا۔ فائزہ کو یہ دیکھ کر بہت دُکھ ہوا۔ وہ پریشانی کے عالم میں دادا جان کے پاس آئی جو اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ جیسے ہی دادا جان نے سلام پھیرا، فائزہ کو پریشان دیکھ کر پوچھا:

''کیا بات ہے بیٹا؟''

''دادا جان! پتا نہیں چڑیا کو کیا ہو گیا ہے، کچھ کھاتی ہی نہیں۔ پانی تک نہیں پیا۔'' فائزہ نے بتایا۔

''بیٹا! اسے آزاد کر دو۔ پھر ٹھیک ہو جائے گی۔''

''نہیں دادا جان۔ جو بھی ہو جائے میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔''

چڑیا روز بروز لاغر ہوتی گئی۔ لیکن فائزہ نے اسے پھر بھی نہیں چھوڑا۔ دادا جان فائزہ کو سمجھا سمجھا کر تھک گئے۔ لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر دادا جان نے ایک ترکیب سوچی۔ جب فائزہ اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھی تو دادا جان نے باہر سے کنڈی لگا دی۔

جب وہ جاگی تو باہر سے دروازہ بند تھا۔ مسلسل کھٹکھٹانے کے باوجود کسی نے دروازہ نہیں کھولا۔ وہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے نڈھال ہو گئی۔ اسے کمرے میں گھٹن ہونے لگی۔ کچھ دیر بعد دادا جان نے دروازہ کھولا۔

''دادا جان! آپ نے کنڈی لگائی تھی؟ مجھے اتنی گھٹن محسوس ہوئی اور قید بھی۔''

''بیٹا! میں یہی بات آپ کو سمجھانا چاہتا تھا کہ پرندے بے زبان ہوتے ہیں۔ اس لیے انھیں قید نہیں کرنا چاہیے۔ آپ نے تو اپنی کیفیت بتا دی، لیکن یہ تو بول بھی نہیں سکتے۔ اس لیے انھیں قید کرنے کے بجائے آزاد کرنا چاہیے۔''

جی دادا جان!'' فائزہ نے یہ کہہ کر چڑیا کو آزاد کر دیا۔ کیونکہ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔

حکیم النساء عرف ثمینہ، آعظم پورہ، بالا پور

سب سے زیادہ طاقتور کون؟

ایک مرتبہ ایک چوہے نے شیخی بگھارتے ہوئے کہا: ''صرف ہم تین کو ہی انعامات سے نوازا گیا ہے۔ میرے بھائی ہاتھی کو، بھائی دریائی گھوڑے کو اور مجھے۔''

چوہے کی یہ لن ترانی دوسرے جانوروں

کو بڑی ناگواری محسوس ہوئی اور خاص طور سے گیدڑ کو۔ اس نے اس بات کی اطلاع جا کر شیر کو دے دی۔ لیکن شیر نے کہا:

''یہ معاملہ تو ہاتھی اور دریائی گھوڑے کا ہے۔''

گیدڑ ہاتھی کے پاس گیا اور کہنے لگا:
''اے جنگل کے دیو! چوہا تمھاری شان میں بڑی گستاخیاں کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ تمھارا بھائی ہے اور اتنا طاقتور ہے کہ تمھیں اپنی پیٹھ پر بٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا سکتا ہے۔''

لیکن جب ہاتھی نے بھی گیدڑ کی باتوں پر ذرا بھی دھیان نہیں دیا تو گیدڑ کو ہاتھی سے مزید کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

اب گیدڑ دریائی گھوڑے کے پاس پہنچا اور اس سے کہا: ''اس کمینے چوہے کی باتیں سنو۔ وہ کہتا ہے کہ صرف ہاتھی ہی اس جنگل میں طاقتور جانور ہے اور اس کے آگے تمھاری کوئی اہمیت نہیں ہے۔''

دریائی گھوڑے کو یہ بات بڑی ناگوار لگی اور اس نے چوہے کو سبق سکھانے کی ٹھان لی۔

حقائق کو جاننے کے لیے دریائی گھوڑا سب سے پہلے ہاتھی سے ملنے گیا۔ اس وقت ہاتھی نہا رہا تھا۔ جب دریائی گھوڑا اس کے نزدیک پہنچا تو ہاتھی نے اس کے سر پر کیچڑ اور

عرب کا روشن ستارہ

دل کی ٹھنڈک آنکھ کا تارا
نام نبی کا پیارا پیارا

جس سے روشن عالم سارا
جگ کا ہادی حق کا پیارا

پیاری پیاری صورت والا
زلف تھی جس کی عنبر سارا

بحر عرب سے بادل اٹھا
کر گیا جل تھل ایک ہمارا

چاند ہوا دو ٹکڑے فوراً
پا کے نبیؐ کا ایک اشارہ

آپؐ خدا کے نبی ہیں جس پر
خالق نے قرآن اُتارا

آپؐ ہیں آقا آپؐ ہیں مولا
سب کے رہبر سب کا سہارا

محمد اطہر محمد انور، جامعہ مسجد پورہ، مانا تعلقہ، اکولہ

پانی ڈال دیا۔ دریائی گھوڑے نے ہاتھی سے کہا:

''چوہا ہم دونوں کے متعلق بڑی بیہودہ باتیں کر رہا ہے۔''

اتنا سن کر ہاتھی نے اپنے ایک پیر کو

اٹھا کر کیچڑ میں دے مارا اور بولا: ''بالکل اسی طرح میں اس کمبخت چوہے کو کچل ڈالوں گا۔''

کچھ دن خاموشی سے گزر گئے۔ ایک دن چوہا دریائی گھوڑے سے ملا اور بولا:

''کہو پیارے بھائی! کیسی گزر رہی ہے؟''

یہ سن کر دریائی گھوڑا طیش میں آ گیا اور انتہائی غضبناک ہو کر کہنے لگا: ''کمینے! میں تجھے نیست و نابود کر دوں گا۔''

چوہے نے کہا: ''نا! نا! یہ بڑی بُری بات ہے۔ آؤ طاقت آزما لو۔ اگر میں تمھیں زمین پر پٹخ دوں گا تو تمھیں بھائی بھائی کہہ کر پکاروں گا اور اگر تم مجھے زمین پر گرا دو گے تو تمھارے جو جی میں آئے، مجھے کہنا۔''

دریائی گھوڑا راضی ہو گیا۔ چوہا اپنی بیوی بچوں کو خدا حافظ کہنے کے بہانے ہاتھی کے پاس گیا اور بولا: ''آداب بھائی جان!''

یہ سنتے ہی ہاتھی کو اس قدر غصہ آیا کہ اس نے اپنا ایک پیر اٹھا کر چوہے کو کچل دینا چاہا۔ چوہے نے فوراً کہا:

''نا! نا! بھیا۔ اتنا غصہ اچھا نہیں۔ آؤ ہم زور آزمائی کر لیں۔ جیتنے والے کو کیلے سے بھری ٹوکری انعام میں ملے گی۔''

ہاتھی تیار ہو گیا۔ چوہے نے ایک بڑی سی رسّی کا انتظام کیا اور دوبارہ دریائی گھوڑے کے پاس پہنچا۔

''دیکھو بھائی! رسّی کے ایک سرے کو تم پکڑو گے اور اس کا دوسرا سِرا جو جنگل کی دوسرے سمت میں ہے، اسے میں پکڑوں گا اور جب تمھیں رسّی میں جھٹکا محسوس ہو تو اسے اپنی طرف کھینچنا۔''

پھر چوہا ہاتھی سے ملا اور بولا: ''اس رسّی کا یہ سِرا تم پکڑو اور دوسرا حصہ میں پکڑتا ہوں۔ جب رسّی میں جھٹکے کا احساس ہو تو تم اسے کھینچنا۔''

اب رسّی کا ایک سِرا دریائی گھوڑے کے پاس تھا اور دوسرا ہاتھی کے۔ جیسے ہی چوہے نے اس کو جھٹکا دیا تب ہاتھی اور دریائی گھوڑے نے رسی کو کھینچنا شروع کر دیا۔ جب رسی بالکل تن گئی تب چوہا خوشی سے ہنسنے لگا اور کھیل سے لطف اندوز ہونے لگا۔ یہ رسّہ کشی بڑی دیر تک چلتی رہی۔ اب سوال یہ تھا کہ اس زور آزمائی کو کس طرح ختم کیا جائے۔ جب چوہا اس کھیل سے اُکتا گیا تو اس نے رسی کو بیچ سے کُتر ڈالا۔ رسی کے ٹوٹتے ہی زور کا دھماکا ہوا کیونکہ ایک طرف دھڑام سے ہاتھی اور دوسری طرف دریائی گھوڑ گرا۔ اس زبردست دھماکے سے سارا جنگل گونج اٹھا۔ شیر بھی لرز گیا اور بچارہ گیدڑ ڈر کے مارے ادھر ادھر بھاگنے لگا۔

اب چالاک چوہا ہاتھی کے پاس گیا اور کہنے لگا: ''کیا اب بھی مجھے مبارک باد نہیں دو گے بھائی؟''

ہاتھی نے کہا: ''ضرور۔ لیکن میرے سر میں شدید درد ہے۔''

پھر چوہا دریائی گھوڑے کے پاس جا کر کہنے لگا: ''کہو بھائی! کیا حال ہے؟ آپ کے سر کی تو خیریت ہے نا؟''

''میرا سر تو سہی سلامت ہے لیکن میرا ایک دانت ٹوٹ گیا ہے۔''

اس واقعے کے بعد جب بھی چوہا اپنے آپ کو طاقتور کہنے کا دعوا کرتا تو ہاتھی اور دریائی گھوڑا خاموش رہتے۔

محمد دانش احمد، روپ چند نگر، واشم روڈ، اکولہ

پہلے خود عمل کرو

ایک گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا۔ اس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی ماں کپڑے سی کر اپنا اور اپنے بیٹے کا پیٹ پالتی تھی۔ مگر اس کے بیٹے کو ایک بُری عادت تھی۔ وہ گڑ بہت کھاتا تھا۔ اس کی ماں اس کی اس عادت سے بہت پریشان تھی۔ اس کی ماں نے بیٹے کو کئی ڈاکٹروں اور حکیموں کو دکھایا مگر سب نے یہی کہا کہ اس کا کوئی علاج نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ تو اس کی عادت ہے۔ گڑ کھانے کے لیے پیسے نہ ہونے پر وہ لڑکا اپنی ماں کے بٹوے سے پیسے چرانے لگا۔

کچھ دنوں کے بعد اس کی ماں کو معلوم ہوا کہ ایک محمد نام کے بابا ہیں جو ہر بیماری کا علاج کرتے ہیں۔ کوئی بھی ان کے پاس سے

ماں کی عظمت

ماں کی عزت ہمیشہ کرنا چاہیے
ماں سے محبت ہمیشہ کرنا چاہیے

ماں کیا ہے ہم کو پتا نہیں
ماں کی عظمت ہے کیا ہم کو پتا نہیں

ماں نے ہم کو اتنی مصیبت سے بڑا کیا
پھر ہم نے ان کے لیے کیا کیا

ماں سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں
ماں نہ ہو تو دنیا میں محبت نہیں

ماں کی ممتا کو ہم جو ٹھکرائیں گے
سیدھے جہنم میں چلے جائیں گے

ماں کی عزت کرنا ہمارا فرض ہے
ماں کا کہنا ماننا ہمارا فرض ہے

رخسانہ پروین، اندرا نگر، آکوٹ، اکولہ

خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔

لڑکے کی ماں بھی اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر ان بابا کے پاس گئی۔ اس نے انھیں سلام کیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

محمد بابا نے کہا: ''آپ کل آنا۔''

ماں بابا کی بات مانتے ہوئے گھر چلی گئی اور دوسرے دن پھر آئی۔ اس بار بھی بابا نے دوسرے دن آنے کو کہا۔ اس طرح یہ سلسلہ پانچ دن تک چلتا رہا۔ چھٹے دن ماں بیٹے پھر بابا کے پاس پہنچے۔ اس بار بابا نے لڑکے سے کہا:

''دیکھو بیٹا! بہت زیادہ گڑ مت کھایا کرو۔ زیادہ گڑ کھانا اچھی بات نہیں ہے۔ اس سے تمھیں کوئی بیماری بھی لاحق ہو سکتی ہے۔ تمھاری امی کا تمھارے سوا کوئی سہارا بھی تو نہیں۔''

بابا کی بات اس لڑکے کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے وعدہ کیا کہ وہ آیندہ کبھی گڑ نہیں کھائے گا۔ اس لڑکے کی ماں نے بابا سے ایک سوال کیا:

''صرف اتنی سی بات کہنے کے لیے آپ نے پانچ دن کا وقت کیوں لگایا؟''

بابا نے جواب دیا: ''چار دن پہلے تک میں بھی بہت گڑ کھایا کرتا تھا۔ اس لیے میں نے ان چار دنوں میں اپنی عادت دور کی پھر آپ کے بیٹے کو سمجھایا۔

پھر ماں نے اللہ کا اور اس کے بعد محمد بابا کا شکریہ ادا کیا اور دونوں ماں بیٹے خوشی خوشی اپنے گھر روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد بیٹے نے کبھی بھی اپنے وعدے کو نہیں توڑا۔

سید توفیق، خیر محمد پلاٹ، نزد اہل حدیث مسجد، اکولہ

دیانت داری

بہت پرانی بات ہے ایک لڑکا اپنی غریب ماں کے ساتھ رہتا تھا اور محنت مزدوری کر کے اپنا گھر چلاتا تھا۔ اس کے ابو کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کی ماں لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ اس کی ماں ہمیشہ اسے یہی تعلیم دیا کرتی تھی کہ بیٹا! ہمیشہ ایمانداری سے کام کرنا۔ کیونکہ ایمانداری ہر وقت ساتھ دیتی ہے۔

ایک دن وہ لڑکا اپنے کام پر جا رہا تھا۔ اسے راستے میں ایک بیگ نظر آیا۔ اس نے بیگ اٹھایا تو اسے بیگ بہت بھاری محسوس ہوا۔

اس نے بیگ کھول کر دیکھا تو اس میں بہت سارے روپے تھے۔ اس نے سوچا یہ بیگ کسی مسافر کا لگتا ہے۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھر جانے لگا۔ اچانک اسے اپنی ماں کی بات یاد آ گئی۔ اس کے قدم رک گئے۔ وہ واپس اسی جگہ پہنچا جہاں اسے بیگ ملا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس شخص وہاں کچھ تلاش کر رہا ہے۔

''کہیں یہ بیگ اس شخص کا تو نہیں؟'' وہ فوراً اس شخص کے پاس پہنچا اور اس شخص سے مخاطب ہوا:

''صاحب! یہ بیگ آپ کا ہے؟''

اس شخص نے کہا: ''ہاں یہی تو وہ بیگ ہے جسے میں بہت دیر سے تلاش کر رہا ہوں۔''

لڑکے نے بیگ اسے واپس دے دیا۔

اس نے اپنا بیگ اور روپے چیک کیے۔ پھر بولا:

''یہ بیگ تمھارے پاس تھا۔ اس میں اتنے روپے ہیں کہ اگر اس میں سے کچھ روپے نکال بھی لیتے تو کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔''

لڑکے نے کہا: ''میری ماں ہمیشہ کہتی ہیں کہ ایمانداری میں اللہ راضی ہے۔''

یہ کہہ کر وہ جانے لگا۔ اس شخص نے اسے روکا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

''بیٹا! تم کیا کام کرتے ہو؟''

لڑکے نے کہا: ''صاحب! ہم جیسے غریبوں کا کیا ہے۔ کبھی یہ کام کبھی وہ کام۔''

اس شخص نے کہا: ''کیا تم میری کمپنی میں کام کروگے؟ میں تمھیں اچھی تنخواہ دوں گا۔''

لڑکا بہت خوش ہوا اور اس کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ اس پر اس شخص نے کہا:

''بیٹا! اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ یہ تو تمھاری ایمانداری کا پھل ہے۔''

پھر اس شخص نے اپنے آفس کا پتا بتایا اور دوسرے دن آنے کو کہا۔

لڑکے نے کہا: ''اچھا اب میں چلتا ہوں۔ کل سے آپ کی کمپنی میں کام کرنے کے لیے آجاؤں گا۔''

آم

سب کے من کو بھائے آم
کتنے رسیلے میٹھے آم

جب بھی یہ بازار میں آئے
دیکھ کر ان کو من للچائے

بچے شوق سے کیریاں کھائے
مربع اور اچار بنائے

گرمی کا جب موسم آئے
جوس بنا کر سب کو پلائے

ابو جب بازار سے آئے
تھیلا بھر کر آم وہ لائے

اکبر شوق سے کھاؤ آم
پاؤ قدرت کا انعام

اکبر خان، غریب نواز کالونی، شہادہ، نندوربار

اپنے گھر پہنچ کر اس نے ساری باتیں اپنی ماں کو بتائیں۔ اس کی ماں نے اسے گلے سے لگالیا اور کہا:

''شاباش بیٹا! میں تمھارے اندر یہی ایمانداری لانا چاہتی تھی۔''

ندیم خاں، خیر محمد پلاٹ، نزد مسلم اردو ہائی اسکول، اکولہ

....

والدین

بچپن کا زمانہ بھی عجیب ہوتا ہے جس میں نہ تو ہم اپنے آپ کچھ کھا سکتے ہیں، نہ پی سکتے ہیں، نہ اپنا کوئی کام کر سکتے ہیں۔ ہماری ان ضرورتوں کو ہمارے والدین پورا کرتے ہیں۔ جب ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو وہ ہمارا علاج کراتے ہیں۔ ہمارے لیے ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہم ہر مصیبت و پریشانی سے دور رہیں اور نیک بنیں۔

قرآن کریم میں والدین کو جھڑکنے اور ڈانٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ ہم والدین کی عزت کریں اور ان کا کہنا مانیں۔ جب وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی ایسی ہی خدمت کریں جیسی وہ ہمارے بچپن میں ہماری کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے دعائے خیر کرتے رہیں اور ان کو خوش رکھیں اور ان کے فرماں بردار بن کر رہیں۔

آفرین فردوس شیخ عبدالرزاق، محبوب نگر، کھام گاؤں

سورہ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا

اس سورہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اس جیسی صورت نازل نہیں ہوئی۔ نہ تورات میں، نہ انجیل میں اور نہ ہی زبور میں۔ نہ بقیہ قرآن پاک میں۔''

ایک حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک صحابیؓ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا۔ وہ نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے جواب نہ دے سکے۔ جب فارغ ہو کر حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پکارنے پر جواب کیوں نہیں دیا؟''

انھوں نے نماز کا عذر کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید کی آیت میں نہیں پڑھا کہ اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو، جب بھی وہ تم کو بلائیں۔'' (سورہ انفال، ۳۰) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تجھے قرآن کی سب سے بڑی سورہ یعنی سب سے افضل سورہ بتاؤں؟'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ الحمد کی سات آیتیں ہیں۔ یہ سبع مثانی ہیں اور قرآن عظیم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

ہے کہ "سورہ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے۔" بعض صوفیا نے لکھا ہے: "سورہ فاتحہ کو ایمان و یقین کے ساتھ پڑھیں تو ہر بیماری سے شفا ہوگی۔ چاہے وہ دینی ہو یا دنیاوی، ظاہری ہو یا باطنی۔ اس سورہ کو لکھ کر لٹکانا بھی امراض کے لیے نافع ہے۔ صحاح ستہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سانپ، بچھو کے کاٹے ہوئے پر اور مرگی والوں پر اور دیوانوں پر سورہ فاتحہ کا دم کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جائز رکھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سائب بن یزید پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کو دم فرمایا اور یہ سورہ پڑھ کر لعاب دہن درد کی جگہ لگایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص سونے کے ارادے سے لیٹے اور سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ کر اپنے اوپر دم کر لے تو موت کے سوا ہر بلا سے امن پائے گا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ سورہ فاتحہ ثواب میں دو تہائی قرآن کے برابر ہے۔ بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو کچھ قرآن سے پہلے کتابوں میں تھا، وہ سب قرآن میں آ گیا ہے اور جو قرآن میں ہے، وہ بسم اللہ میں آ گیا ہے اور جو بسم اللہ میں ہے، وہ 'ب' میں آ گیا۔ 'ب' سے مراد سب چیزوں کو چھوڑ کر بندے کا اللہ کا ہو جانا ہے۔

"ایاک نعبد وایاک نستعین"

نظم

ہمیں بچو! بہت ہی دل لگا کر پڑھنا لکھنا ہے
کریں استاد جن پر فخر وہ شاگرد بننا ہے

صداقت علم و حکمت اور محبت کے اجالوں سے
جہالت بغض و نفرت کے اندھیروں کو مٹانا ہے

ہمیشہ بچ کے رہنا ہے ہمیں پندار نخوت سے
محبت خلق اور اخلاص کے سانچے میں ڈھلنا ہے

مثال آئینہ کردار اپنا ہو زمانے میں
وفا کو ناز ہے جن پر ہمیں وہ راہ چلنا ہے

کریں وہ کام جس سے کامیابی چومے قدموں کو
ہمیں ماں باپ کا دنیا میں روشن نام کرنا ہے

پڑھو، آگے بڑھو کا ہم لگاتے جائیں گے نعرہ
کرو کچھ علم و فن حاصل یہی پیغام اپنا ہے

سہیل عالم، ناگپور

میں تمام مقاصد دینی اور دنیاوی آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عرش کے خاص خزانے سے مجھ کو چار چیزیں ملی ہیں اور کوئی چیز اس خزانے سے کسی کو نہیں ملی۔"

سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورہ البقرہ کی آخری آیات، سورہ الکوثر۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابلیس کو

اپنے اوپر نوحہ کرنے اور سر پر خاک ڈالنے کی چار مرتبہ نوبت آئی۔ پہلی بار جب اس پر لعنت ہوئی، دوسری بار جب اس کو آسمان سے زمین پر پھینکا گیا۔ تیسری بار جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی اور چوتھی بار جب کہ سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

امام شعبیؒ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور درد گردہ کی شکایت کی۔ آپؒ نے کہا: ''اساس القرآن پڑھ کر درد کی جگہ پر دم کرلو۔'' اس نے دریافت کیا: ''اساس القرآن کیا ہے؟'' آپؒ نے فرمایا ''سورہ فاتحہ اساس القرآن ہے۔'' بعض صوفیا اور مشائخ اسے اسم اعظم کہتے ہیں اور ہدایت کرتے ہیں کہ ہر مقصد کے لیے سورہ فاتحہ پڑھنا مجرب ہے اور اس کے دو طریقے بیان کیے ہیں۔ ایک تو صبح کی نماز فجر میں سنت اور فرض کے درمیان اکتالیس مرتبہ چالیس دن تک پڑھنے سے ہر مشکل حل ہوجائے گی۔ اگر کسی مریض پر جادو کیا گیا ہو تو پانی پر دم کرکے اس کو پلایا جائے۔ اس سورہ کو چینی کے برتن پر گلاب اور مشک و زعفران سے لکھ کر چالیس روز تک دھوکر پلانا امراض منہ کو ختم کردیتا ہے۔ دانتوں کے درد سر اور پیٹ کے درد کے لیے سات بار دم کرنے سے درد ختم ہوجاتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ تشریف فرماتھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آسمان کا ایک دروازہ آج کھلا ہے جو آج سے پہلے نہیں کھلا تھا۔'' پھر اس میں سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج یہ فرشتہ نازل ہوا ہے جو آج سے قبل کبھی نازل نہیں ہوا۔'' پھر اسی فرشتے نے عرض کیا ''دو نوروں کی بشارت لیجیے جو آپؐ سے پہلے کسی کو نہیں دیے گئے۔ ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ البقرہ کی آخری آیات۔ ان کو نور اس لیے فرمایا کہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے آگے آگے چلیں گے۔

ذوالقرنین، چکھلی، بلڈانہ، ایم ایس

ناظرہ قرآن سکھانے کا ثواب

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن شریف سکھائے تو اس کے سب اگلے پچھلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔''

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جو شخص قرآن شریف پڑھے اور اس پر عمل کرے تو اس کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو نور سے بنا ہوا ہوگا اور اس کے ماں

باپ کو ایسے دو جوڑے پہنائے جائیں گے کہ تمام دنیا ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ وہ عرض کریں گے:

''یا اللہ! یہ جوڑے کس چیز کے صلے میں ملے ہیں؟''

تو اللہ عزو شانہ ارشاد فرمائے گا کہ ''تمھارے بچے کے قرآن ناظرہ پڑھنے کی وجہ سے۔'' (حاکم)

محمد عبید انصاری، مومن پورہ، بالاپور

اللہ مہربان

روح البیان میں درج ہے کہ ایک دن ابوعمرو رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک جوان کو پولیس نے گرفتار کرلیا ہے۔ لوگ اس کی گرفتاری پر خوش ہیں۔ مگر اس کی ماں اس کے پیچھے روتی جارہی ہے۔ ابوعمروؒ کو اس بڑھیا پر ترس آیا اور ضمانت دے کر اس کے بیٹے کو چھڑالیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بڑا بدمعاش ہے۔ اسے کیوں چھڑایا؟

کچھ دن بعد آپؒ بڑھیا کے دروازے پر سے گزرے تو وہاں رونے کی آواز سنی۔ سمجھے کہ شاید اس کا بیٹا پھر گرفتار ہوگیا ہے۔

بڑھیا سے پوچھا تو اس نے بتایا: ''وہ مرگیا ہے۔ اور مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میری موت کی کسی کو خبر نہ دینا کیونکہ میں نے سب کو بہت ستایا ہے اور میری انگوٹھی جس پر بسم اللہ لکھی ہے، اسے میرے ساتھ دفن کردینا اور دفن کے بعد میرے لیے دعائے مغفرت کرنا۔ جب میں قبر پر دعا کرنے لگی تو قبر سے آواز آئی کہ ماں! تو واپس جا۔ میرا رَب مجھ پر تجھ سے زیادہ مہربان ہے۔

شیخ عبیدہ، مومن پورہ، اکولہ

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر

☆ دلچسپ نہیں تھی ☆ بامقصد نہیں تھی ☆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی ☆ صاف صاف نہیں تھی ☆ پنسل سے لکھی ہوئی تھی ☆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی ☆ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی ☆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا ☆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی ☆ پیامیوں کے لیے مناسب نہیں تھی ☆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی ☆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ ☆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔ ☆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحہ پر لکھے تھے۔